بسم اللہ الرحمن الرحیم

العقیدہ

مؤلف

صالح سعد السحیمی حفظہ اللہ

ترجمانی

صفی احمد مدنی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ ترجمان، دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

العقیدہ

مؤلف

صالح سعد السحیمی حفظہ اللہ

ترجمانی

صفی احمد مدنی حفظہ اللہ

مکتبہ ترجمان، دہلی

نام کتاب : العقیدہ

مؤلف : صالح سعد السحیمی حفظہ اللہ

ترجمانی : فضیلۃ الشیخ صفی احمد مدنی

اشاعتِ پنجم : 2013

تعدادِ اشاعت : 1000

صفحات : 88

طباعت : مکتبہ ترجمان، اردو بازار، اہلحدیث منزل، دہلی

فہرست مضامین

پیش لفظ

الحمد للہ حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ والصلوۃ والسلام علی النبی الکریم وعلی آلہ الطیبین الطاهرین واصحابه الغر المیامین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین. اما بعد

ایمان وعقیدہ کا درجہ ومقام دین وعبادت میں ویسا ہی ہے جیسا روح کا رشتہ اور مقام جسم کے ساتھ ہے۔ جس طرح جسم بلا روح کے بے فائدہ ہے بلکہ کبھی کبھی وبال جان بن جاتا ہے اور معاشرے کو متعفن کردیتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ عقیدہ کا فساد عمل وکردار اور ماحول ومعاشرہ کے لیے مہلک وتباہ کن ثابت ہوتا ہے۔ عقیدہ کے متعدد اسم ہیں۔ ان میں ایمان، توحید، فقہ اکبر وغیرہ ناموں کا ذکر علماء نے کیا ہے۔

اب عام طور پر ایمانیات کے لیے عقیدہ کا لفظ بولا جاتا ہے چونکہ تمام اعمال کی صحت وقبول کا دار ومدار توحید یعنی اللہ جل شانہ کو ایک ماننے اور اس کو پہچاننے اور اس کا علم رکھنے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے اور اس کے حقوق اور اس کے بندوں کے حقوق کو پہچاننے، برتنے اور اس کے مطابق زندگی گذارنے کا نام ہے۔ اسی لیے عقیدہ کی کتابوں کا نام بسا اوقات کتاب التوحید ہے۔ جیسے امام ہمام ابن خزیمہ کی کتاب التوحید، شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی کتاب، کتاب التوحید وغیرہ وغیرہ۔ کیونکہ توحید ہی ایمان کی اساس وبنیاد ہے اور دیگر عبادات کے قبول وعدم قبول کا معاملہ اسی پر موقوف ہے۔ اسی لیے اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے تیرہ سال تک صرف عقیدۂ توحید کی دعوت دی کیونکہ دین کا وہی جان ودل ہے اور اس کی اصلاح ودرستگی سے ہی دیگر اعضا یعنی فرائض وواجبات ومستحبات اور اخلاقیات وغیرہ کی اصلاح ہوگی ورنہ نہیں۔

سابقہ تمام انبیاء کرام نے بھی سب سے پہلے اسی کی دعوت دی" قال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ" الآیۃ: (سورۃ الاعراف: ۸۵) ترجمہ: (انہوں نے فرمایا اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں۔)

اور دنیا نے مشاہدہ کیا ہے کہ اس عقیدہ توحید کے درست ہوجانے سے سب سے بڑا فساد شرک کے خاتمے کے بعد دیگر تمام رذائل کا بھی خاتمہ آسان ہوگیا۔ اور تمام فضائل وکمالات اور فرائض واجبات کی تکمیل ہوگئی۔ لہذا علوم میں مہتم بالشان علم، علم توحید وسنت ہے۔

یہ کتاب مستطاب بھی عقیدہ کے باب میں ایک عظیم اضافہ ہے اس کے مولف صاحب الفضیلۃ العلامہ صالح سعد السحیمی حفظہ اللہ ہیں جو عصر حاضر کے ان متمکن علماء میں ایک راسخ فی العلم عالم دین ہیں۔ جن کو علوم اسلامیہ خصوصاً عقیدہ کے باب میں اتھارٹی مانا جاتا ہے اور وہ اس کے بڑے ماہر عالم دین ہیں۔

اس اہم ومفید کتاب کے مترجم جنوب کے مشہور عالم دین محترم شیخ صفی احمد مدنی سابق امیر جمعیت اہل حدیث صوبہ آندھرا پردیش ہیں اور آپ بھی جید عالم دین ہیں۔ آپ کا ترجمہ سلیس ورواں ہے۔ اور اس اہم کتاب کو اردو قارئین کے فہم کے قریب تر کرنے میں مترجم حفظہ اللہ کی کوشش کامیاب ہے۔

ترجمہ کے علاوہ بھی مترجم نے چند اہم مباحث کا جو عقیدہ ومنہج کے قریب بلکہ اسی کے قبیل سے ہیں اضافہ کیا ہے۔ کتاب کے اخیر میں یہ ایک مفید ضمیمہ ہے گرچہ بطور ضمیمہ الگ سے اس کا اندراج نہیں فرمایا ہے۔

قطع نظر اس سے کہ وہ ضمیمہ ہے یا اضافہ بہرحال اس سے کتاب کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور فائدہ دوچند ہوگیا ہے۔ راقم نے مختلف جگہوں پر سرسری طور پر نظر ڈال کر یہ تاثرات قائم کیے ہیں نیز مولف اور مترجم کا علمی مقام معروف ہے اور دونوں شخصیات محتاج تعارف نہیں ہیں۔ اس لیے اس کتاب کو افادہ عامہ کے لیے مکتبہ ترجمان سے شائع کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ امید کہ اصلاح عقائد اور پختگی عقیدہ کے باب میں یہ رسالہ اپنا موثر کردار ادا کریگا۔ اور ہم سب کے لیے صدقہ جاریہ وباعث نجات ہوگا۔ واضح ہو کہ اس کتاب کی یہ دوسری اشاعت ہے۔ اس موقع پر تمام احباب واصحاب وذمہ داران وکارکنان ومتعاونین کا شکر گذار ہوں۔ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو سب کے لیے مفید بنائے۔ آمین وصلی اللہ علی النبی الکریم وسلم تسلیما کثیرا

کتبہ

۸/ذی قعدہ ۱۴۳۵ھ مطابق ۴/ستمبر ۲۰۱۴ء

اصغر علی امام مہدی سلفی
ناظم عمومی مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مقـدمہ

بلاشبہ ساری تعریف اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ اور اسی کی جناب میں توبہ کرتے ہیں ہم اپنے نفسوں کے شر اور ہمارے بُرے اعمال کے شر سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ اللہ جس کو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تنہا اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اس کا کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ کی رحمت ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں پر اور آپ کے تمام ساتھیوں پر۔

یَاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾

(آل عمرٰن)

ترجمہ: ”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ اور تم کو موت صرف اس حالت میں آئے کہ تم فرماں بردار ہو“۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا وَبَثَّ مِنۡهُمَا رِجَالًا كَثِیۡرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِهٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیۡكُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾ (النساء)

ترجمہ: ”اے لوگو! تم اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا فرمایا اور اس سے اس کے جوڑے کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سارے مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتوں کا احترام کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبانی کر رہا ہے۔“

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے عظیم الشان کامیابی حاصل کی۔

سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین نمونہ محمد ﷺ کا نمونہ ہے۔ بدترین امور ایجاد کردہ چیزیں ہیں۔ ہر ایجاد کردہ چیز بدعت ہے۔ ہر بدعت گمراہی ہے۔ اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔

مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کی طرف سے متعدد ملکوں میں ٹریننگ کورسس منعقد کئے جارہے ہیں۔ اس مختصر مدتی کورسس کے طلبہ کے لئے عقیدہ کے موضوع پر ایک کتابچہ تیار کیا گیا ہے۔ جو آپ کی خدمت میں پیش ہے۔ اللہ عزوجل سے دعا ہے کہ اس کے ذریعہ طالبان علم کو فائدہ حاصل ہو اور اس کوشش کو اس کے لئے خالص کردے۔

عقیدے کے موضوع پر مندرجہ ذیل مباحث پیش کئے جارہے ہیں۔

جنّات اور انسانوں کا مقصد وجود

اے محترم طالب علم! آپ کو جاننا چاہئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر چیز کو حکمت کے تحت پیدا فرمایا ہے۔ جس کو وہ جانتا ہے اور چاہتا ہے۔ مسلمان اس بات کا مکلّف ہے کہ وہ حکم الٰہی کو قبول کرے اور فرماں برداری اختیار کرے۔ اس حکم الٰہی کی مصلحت وحکمت اس کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اگر حکم الٰہی کی حکمت ومصلحت اس کی سمجھ میں آگئی تو سونے پر سہاگہ ہے اور اگر حکم الٰہی کی حکمت سمجھ میں نہیں آتی تب بھی اس کو حکم الٰہی کا اتباع کرنا ضروری ولازمی ہے۔ کیونکہ عقل انسانی ہر حکمت کو سمجھ نہیں سکتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن واحادیث میں بیان کردہ

احکام کی اطاعت کرتے تھے۔اور حرام کردہ امور سے دور دور رہتے تھے۔حکمت و مصلحت کے جاننے کے پیچھے نہ پڑتے تھے۔

عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ اس ذہن کی بہترین مثال ہے۔عمر رضی اللہ عنہ جب حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آئے تو فرمایا ''میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے۔نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ۔اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو تجھ کو نہ چومتا'' (متفق علیہ)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنوں وانسانوں کو ایک عظیم الشان حکمت کے تحت پیدا فرمایا ہے۔وہ حکمت و مقصد صرف تنہا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بندگی کرنا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ (الذاریات)

ترجمہ: میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی بندگی کریں''۔

بندگی وعبادت سے مقصود توحید ہے۔اللہ عزوجل نے اس کو واضح کر دیا ہے۔فرمایا:

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ ﴿٥﴾ (البیّنۃ)

ترجمہ: ''ان کو صرف اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں۔اسی کے لئے اطاعت کو خالص کرتے رہیں اور یکسو ہو کر نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں یہی دین برحق ہے''۔

اس مضمون کی آیات بکثرت ہیں۔ان سب کو یہاں بیان کرنا مشکل ہے۔مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنا واجب ہے۔جو ایک اللہ کی بندگی نہ کرے وہ مشرک و کافر ہے۔اگر چہ وہ کتنے ہی اچھے کام کرے۔اس کے اعمال نا قابل قبول ہیں کیونکہ اعمال کی قبولیت کے لئے توحید کی شرط لازمی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا ﴿٢٣﴾ (الفرقان)

ترجمہ: اور ہم ان کے اعمال کا رخ کریں گے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کو ہم بکھرے ہوئے گرد و غبار کی طرح کر دیں گے''۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے۔جس نے کسی کام میں میرے ساتھ کسی کو شریک کیا، میں اس کے اعمال اور اس کی حصہ داری کو چھوڑ دیتا ہوں"۔(مسلم، کتاب الزہد)

اعمال کی قبولیت کیلئے شرائط

یہ بات معلوم رہنی چاہیئے کہ عبادتیں توفیقی ہوتی ہیں۔اجتہادی نہیں۔یعنی شریعت (قرآن وحدیث) ہی سے ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔قیاس وگمان سے نہیں۔اس لئے کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ وہ قرآن وسنت رسول کے بیان کردہ طریقہ کے علاوہ کسی اور طریقہ سے عبادت کرے۔عبادت کی قبولیت کے لئے اس کا محض اللہ کی رضامندی کیلئے ہونا ضروری ہے۔اس طرح یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ عمل جس کے ذریعہ ہم تقرب الٰہی چاہتے ہیں اس کا سنت رسول کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ہر عمل صالح کی مقبولیت کے لئے ان دو بنیادی شرطوں کی تکمیل ضروری ہے۔دونوں شرطوں کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔ایک کی موجودگی دوسرے سے بے نیاز نہیں کرسکتی ہے۔وہ دو شرطیں صراحت کے ساتھ یہ ہیں۔

پہلی شرط: عبادت کا صرف اللہ کے لئے خالص ہونا

دوسری شرط: اس عبادت کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے مطابق ادا کرنا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دونوں شرطوں کو سورۂ کہف میں بیان فرمادیا ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿١١٠﴾ (الکھف)

ترجمہ: آپ کہہ دیجیے کہ میں محض ایک انسان ہوں، تم جیسا اور میری طرف وحی کی جارہی ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، جو اپنے پروردگار کی ملاقات کی امید رکھتا ہو اس کو چاہیئے کہ درست کام کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو حصہ دار نہ بنائے۔

اللہ سبحانہ نے عمل کی درستگی کا حکم دیا ہے۔عمل سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو تو درست

ہوتا ہے، اور حکم ہوا کہ عمل سے محض رضاء الٰہی مقصود ہو۔ اس کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو۔ مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ ''مقبول عمل کے دو رکن ہیں، ایک اللہ کی رضا کے لئے خالص ہو۔ دوسرا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطابق ہو''

اسی طرح کی تفسیر قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علماء سے منقول ہے۔

پہلی شرط میں اخلاص کے معنی یہ ہیں کہ عمل سے رضاء الٰہی مطلوب ہو اور ریاء کاری و شہرت پسندی سے دور ہو کسی سے نہ بدلہ کا طالب ہو اور نہ شکریہ کا۔ اس مضمون کے دلائل (آیات واحادیث) کثرت سے ہیں۔

فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝ (الزمر)

ترجمہ: تم اللہ کی عبادت کرو اسی کے لئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے''۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ (القصص)

ترجمہ: ''اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس سے آخرت کے گھر کی فکر کر اور دنیا میں سے بھی اپنے حصہ کو فراموش نہ کر اور احسان کر جس طرح کہ اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور تو زمین میں بگاڑ کا خوشمند نہ ہو، بے شک اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا ہے''۔

حدیث میں ہے کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ''میں حصہ داری میں سب سے زیادہ بے نیاز حصہ دار ہوں۔ جس نے کسی عمل میں میرے ساتھ دوسرے کو شریک کیا میں اس کے عمل اور اس کی حصہ داری کو چھوڑ دیتا ہوں''۔ (مسلم)

شرک، ریاکاری اور دنیا طلبی کے ساتھ اخلاص جمع نہیں ہوسکتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اعمال (کی قبولیت وعدم قبولیت) کا دار و مدار نیتوں پر موقوف ہے اور ہر انسان کو وہی چیز حاصل ہوگی جس کی اس نے نیت کی ہو''۔ (متفق علیہ)

دوسری شرط کا مفہوم یہ ہے کہ جس عمل سے ہم تقرب الٰہی کا قصد کر رہے ہیں۔اس عمل کا کتاب الٰہی اور سنت رسول ﷺ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔کیونکہ دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے انتقال سے قبل مکمل کر دیا ہے اس میں کمی زیادتی کی کوئی ضرورت نہیں رہی۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ:۳)

ترجمہ: ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا ہے''۔

بکثرت آیات واحادیث میں اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔اور دین میں نئی چیز ایجاد کرنے وبدعات رائج کرنے سے روکا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: ''تمہارے لئے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے۔جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۷﴾ (الحشر)

ترجمہ: رسول جو حکم دیں اس کو لے لو اور جس چیز سے روکیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران)

آپ کہہ دیجئے اگر تم واقعی اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا۔ اللہ بہت مغفرت کرنے والا، خوب رحم کرنے والا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ تم میری سنت اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ نیک خلفاء کی سنت کو لازم پکڑلو۔ اس کو دانتوں سے مضبوطی سے تھام لو اور (دین میں) نئی چیز سے بچو۔ اس لئے کہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی ہے"۔ (ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا: "میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری سنت، جب تک تم ان دونوں کو تھامے رہو گے گمراہ نہ ہو گے"۔ (مؤطا، ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

آپ ﷺ نے فرمایا: "جو ہمارے اس معاملہ (دین) میں ایسی چیز لائے جو اس میں نہیں تھی تو وہ رد کر دی جائے گی۔ (متفق علیہ)

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اللہ نے جس نبی کو بھی بھیجا ان پر ضروری تھا کہ وہ اپنی امت کی اپنے علم کے مطابق بھلائی کی طرف رہنمائی کریں اور ان کے علم کے مطابق برائی سے بچائیں"۔ (مسلم)

ان مذکورہ نصوص اور اسی مفہوم کی دیگر نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف رسول اللہ ﷺ کی پیروی واجب ہے۔ اس کے بغیر کوئی عمل مقبول نہ ہوگا۔ خواہ وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں نے بہت ساری چیزوں کو ایجاد کر لیا ہے اور یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ وہ دین میں داخل ہیں۔ حالانکہ وہ دین میں بالکل نہیں ہیں۔ وہ تو بعض بدعات ہیں جن کو انہوں نے اچھی چیز سمجھ لیا ہے اور یہ گمان کر لیا کہ ان کے ذریعہ انہیں تقرب الٰہی حاصل ہوگا اور سابقہ نصوص سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ گویا ان کو ان نصوص کی کچھ خبر ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر وہ تمام ذکر، دعائیں اور وظائف جن کو ہر نماز کے بعد مقررہ اوقات میں گنگناتے رہتے ہیں اور جن دعاؤں واذکار کو نبی

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد پڑھنے کی ہدایت کی تھی ان کو چھوڑ دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تمام اوقات کے لئے اذکار بتلائے ہیں حتیٰ کہ آپ نے یہ بھی سکھلا دیا کہ گھر سے نکلتے وقت، گھر لوٹتے وقت، سونے سے پہلے، بیدار ہونے کے بعد، وغیرہ وغیرہ کیا کہنا چاہیئے اور آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ میں دن میں ستر (۷۰) دفعہ سے زیادہ استغفار و توبہ کرتا ہوں''۔ (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے عقلمندوں کے عمل کو بیان فرمایا:

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ ھٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (آل عمران)

ترجمہ: (عقلمند) وہ لوگ ہیں جو اللہ کو کھڑے ہو کر، بیٹھ کر اور لیٹ کر یاد کرتے ہیں۔ آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرتے ہیں، تو کہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! آپ نے اس کائنات کو فضول نہیں پیدا کیا ہے آپ کی پاکی ہو۔ آپ ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا لیجئے''۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ صاحب عقل اللہ کو ہر وقت یاد کرتے ہیں۔ اتباعِ رسول کی خلاف ورزی میں اسلام کی معروف عیدیں عید الفطر، عید الاضحیٰ اور جمعہ کے علاوہ نئی عیدیں ایجاد کر لی گئی ہیں۔ ان تین مذکورہ بالا عیدوں کے علاوہ باقی ساری عیدیں غیر اسلامی ہیں۔ اور ان میں جو عبادتیں ایجاد کی گئی ہیں وہ مردود ہیں۔ کیونکہ یہ بدعات ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اعمال بھی دین میں داخل کر لئے گئے ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان چیزوں سے باز رہیں اور قرآن وسنت سے ثابت شدہ چیزوں پر اکتفاء کر لیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو علم ہوا کہ کچھ لوگ مغرب کی نماز کے بعد ہر دن جمع ہوتے ہیں اور سب مل کر ایک ساتھ اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ کے کلمات دہراتے ہیں۔ آپ ان لوگوں کے پاس آئے۔ ان کو ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگوں نے ظلم سے بدعت ایجاد کر لیا ہے۔ اور علم میں اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا چاہتے ہو؟ (البیہقی)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے محض لا الہ الا اللہ و سبحان اللہ کہنے پر انہیں نہیں ڈانٹا کیونکہ ان کلمات کی ادیگی حدیث سے ثابت ہے بلکہ آپ نے اس طریقہ ادائیگی کی کیفیت کو ناپسند کیا جس کو وہ لوگ اختیار کئے ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ طریقہ و اسلوب ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو معلوم نہ تھا۔ حالانکہ انہی لوگوں نے آپ سے شریعت کے احکام حاصل کیا۔ آپ سے سنا اور دوسروں تک پہنچایا۔

توحید اور اس کی اقسام

توحید کے لغوی معنی تنہا کرنے کے ہیں۔ اور شریعت میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کو توحید کہتے ہیں۔ توحید کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) توحید الربوبیۃ (۲) توحید الالوھیۃ والعبادۃ (۳) توحید الاسماء والصفات۔

۱۔ توحید ربوبیت:

اللہ تعالیٰ کو اس کے افعال میں یکتا سمجھنا، افعال الٰہی جیسے پیدا کرنا، روزی دینا، زندگی دینا، موت دینا، بادشاہت کرنا، کائنات کا انتظام کرنا وغیرہ یہ ایمان و عقیدہ رکھنا کہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے۔ روزی دینے والا ہے۔ مالک ہے تصرف کرنے والا اور ہر چیز کی تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی لوٹا نہیں سکتا ہے اور نہ اس کے حکم کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

توحید ربوبیت کے دلائل بہت سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۴﴾ (الاعراف)

ترجمہ: ''درحقیت تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے۔ جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں

پیدا کیا' پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔ وہ رات کو دن پر ڈھانکتا ہے۔ دن رات کے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے' سورج' چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔ سن لو! اسی کے لئے پیدا کرنے کا اختیار ہے اور اسی کا حکم نافذ ہے۔ سارے جہانوں کا پرودگار اللہ بابرکت ہے"۔

پہلے زمانے کے مشرکین توحید ربوبیت کا قرار کرتے تھے' لیکن اس اقرار کے باوجود بھی وہ مسلمان شمار نہ ہو سکے کیونکہ انہوں نے توحید ربوبیت کے لازمی نتیجہ توحید الوہیت کا اقرار نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اقرار خالق کا ذکر قرآن میں کیا ہے:

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩ (الزخرف)

ترجمہ: اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ ان کو زبردست خوب علم والی ذات نے پیدا کیا ہے۔"

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٨٧ (الزخرف)

ترجمہ: "اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔ پھر وہ کدھر بہکے جا رہے ہیں"۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ربوبیت کے اثبات کیلئے عقلی ونقلی دلائل بے شمار و بے انتہاء ہیں۔ مخلوق کا وجود خالق کے وجود کی دلیل ہے۔ کاریگری کاریگر کی نشاندہی کرتی ہے۔ کوئی چیز خود سے وجود میں نہیں آتی ہے بلکہ اس کے لئے موجد کا ہونا ضروری ہے اور وہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝٣٥ (الطور)

ترجمہ: کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں"۔

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝٢٠ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝٢١ وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوْعَدُوْنَ ۝٢٢ (الذاريات)

ترجمہ: اور زمین میں یقین والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں اور خود تمہارے اندر کیا تم کو سوجھتا نہیں ہے اور آسماں میں تمہارا رزق ہے اور وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے
اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر بہت سی چیزیں دلالت کرتی ہیں۔ شاعر کیا خوب کہتا ہے ؎

وفي كل شي له آية | تدل على انه واحد
اور ہر چیز میں اس کے لئے ایک نشانی ہے | جو بتلاتی ہے کہ وہ تنہا ہے

۲۔ توحید الوہیت وعبادت:

بندہ کا تمام اقسام ومظاہر عبادت جیسے نماز' روزہ' قربانی' نذر ماننا' مدد طلب کرنا وغیرہ کو اللہ کے ساتھ خاص کر دینا' اللہ تعالیٰ نے انسان کو اسی لئے وجود بخشا ہے اور قوت وارادہ واختیار عطا فرمایا ہے۔ توحید الوہیت بندہ کا محض اللہ ہی کی بندگی کرنا اور عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا ہے۔ مخلوق کی بندگی نہ کی جائے خواہ وہ بزرگ نبی یا مقرب الٰہی فرشتہ ہی کیوں نہ ہو۔ جس نے عبادت کے کسی مظہر یا قسم کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیا وہ کافر ومشرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ (الانعام)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔ اس کا کوئی حصہ دار نہیں ہے۔ مجھے اسی بات کے اعلان کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں۔''

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿١١٧﴾ (المومنون)

ترجمہ: اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے گا جس کی اس کے پاس کوئی دلیل

نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے پروردگار کے پاس ہوگا۔ یقینا کافر کامیاب نہ ہوسکیں گے"۔

توحید کی اسی قسم توحید الوہیت میں انبیاء کرام اور ان کی قوموں میں جھگڑا واقع ہوا۔ کیونکہ پہلے زمانے کے مشرکین اس بات کا اقرار واعتراف کرتے تھے کہ پیدا کرنے والا اور تدبیر کرنے والا اللہ ہی ہے لیکن وہ اس کے ساتھ دوسروں کی بھی عبادت کرتے تھے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ لوگ اللہ کے یہاں ان کی سفارش کریں گے' اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن میں کیا ہے۔

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللهِ زُلْفٰى ط (الزمر:٣)

ترجمہ: (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان (بتوں وغیرہ) کی پوجا محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کردیں گے"۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴿۲۵﴾ (الانبیاء)

"ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس نبی کو بھی بھیجا تو اس کی طرف وحی کی کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ پس تم میری ہی عبادت کرو"۔

ہم جب موجودہ مشرکین اور سابقہ دور کے مشرکین کو دیکھتے ہیں تو یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس زمانے کے مشرکین پرانے مشرکوں سے کفر میں بڑھے ہوئے ہیں۔ پہلے زمانہ کے مشرکین کشادگی وفراغت میں اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔ جب حالت تنگ ہوجاتی اور پریشانی بڑھ جاتی تو اسی کی طرف متوجہ ہوتے' اسی سے لولگاتے تھے۔ [۱]

[۱] قدیم مشرکین مشکلات میں اللہ سے لولگاتے تھے اور آسانی میں شرک کرتے تھے اور اس دور کے مشرکین مشکلات میں یا علی مشکل کشا یا غوث کہتے ہیں اور آسانی میں قوالی ولہو ولعب میں مشغول رہتے ہیں قدیم مشرکین غیر کو صرف وسیلہ وسفارشی مانتے تھے اور آج کے مشرکین انہیں متصرف مانتے ہیں اور اللہ عزوجل کو معطل کردیا ہے۔ قدیم مشرکین اللہ کو برا بھلا نہیں کہتے تھے۔ آج کل کے مشرکین اللہ تعالیٰ کو گالی دیتے ہیں۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ﴿٦٥﴾ (العنکبوت)

ترجمہ: وہ لوگ جب کشتی میں سوار ہوتے تو اللہ ہی سے لولگاتے۔ اس کے لئے اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ جب وہ ان کو خشکی تک سلامتی سے پہنچا دیتا تو اس کے ساتھ شرک کرنا شروع کرتے''۔

لیکن اس زمانے کے مشرکین تنگی و آسانی ہر حال میں غیر اللہ ہی سے لولگاتے ہیں، تمہیں بہت سے ایسے آدمی نظر آئیں گے جو قبر والے کا رخ کرتے ہیں اور خشیت کے ساتھ مشکلات کا حل اور مصیبتوں کے ازالے کے لئے ان سے دعا کرتے ہیں۔ ان سے مدد مانگتے ہیں اور اس کے علاوہ ان کے نام پر قربانی پیش کرتے ہیں، نذر مانتے ہیں۔ یہ حال قبر پرستوں کا ہے۔ ان کی زندگی کا اہم کام و شغل قبروں کے پاس دھرنا مار کر بیٹھنا اور طواف کرنا ہے۔ اور قبر والے سے حاجات طلب کرنا ہے۔ ایک قبر پرست کا کہنا ہے کہ جب تمہیں مشکلات گھیر لیں تو قبر والوں سے چمٹ جاؤ۔ حالانکہ اللہ سبحانہ نے فرمادیا ہے:

وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿٥﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿٦﴾ (الاحقاف)

ترجمہ: ''اور اس شخص سے زیادہ بھٹکا ہوا کون ہو سکتا ہے جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہیں دے سکتے بلکہ وہ اس کی پکار سے بے خبر ہیں اور جب تمام انسان جمع کئے جائیں گے تو وہ ان پکارنے والے کے دشمن ہو جائیں گے اور ان کی عبادت کا انکار کریں گے''۔

یہ دفن شدہ لوگ قبروں میں خود اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتے تو دوسروں کو کیا فائدہ پہنچا سکیں

گے۔عربی زبان کا مقولہ ہے "فاقد الشئ لا یعطیه" یعنی جس شخص نے کسی چیز کو گم کر دیا ہو وہ دوسرے کو کہاں سے دے سکتا ہے"۔جب مدفون اپنے لئے ہی نفع نقصان کی قدرت نہیں رکھتا ہے تو وہ بدرجہ اولیٰ دوسرے کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔نفع نقصان کا مالک تو بس اللہ کی ذات ہے۔اللہ عزوجل نے فرمایا:

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ (الانعام)

ترجمہ: "اور اگر اللہ تجھے تکلیف پہنچائے تو اس کو وہی دور کر سکتا ہے اور اگر وہ تجھے بھلائی دینا چاہے تو وہ ہر چیز پر خوب قدرت رکھنے والا ہے"۔

۳۔ توحید الاسماء والصفات:

قرآن پاک وحادیث صحیحہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے جو بہترین نام اور بلند صفات وارد ہیں۔ان پر بلا کسی تحریف وتعطیل، تکلیف وتاویل، تشبیہ وتمثیل کے ایمان لانے کا نام توحید الاسماء والصفات ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ (الشوریٰ:۱۱)

ترجمہ: اس کے جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔

مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جن صفات کو بیان کیا ہے اور اس کے رسول نے جن صفات کا اثبات اللہ کی ذات کے لئے کیا ہے ان پر بغیر کسی کمی زیادتی کے ایمان لائے۔اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء وصفات میں کسی بھی طرح کی بے راہ روی اختیار کرنے پر دھمکی دی گئی ہے۔ارشاد الٰہی ہے:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۠ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ (الاعراف)

ترجمہ: اور اللہ کے لئے اچھے نام ہیں تم اس کو انہیں کے ذریعہ پکارو اور جو اس کے ناموں میں انحراف کرتے ہیں انہیں چھوڑ دو۔ جو کچھ وہ کر رہے ہیں عنقریب اس کا بدلہ وہ پا کر رہیں گے۔"

جو اللہ کے کسی نام یا صفت کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَرَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ۝۳۰ (الرعد)

ترجمہ: "اور وہ رحمن کا انکار کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ وہ میرا پروردگار ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے"۔

• اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کیلئے جن صفات کمال کو بیان فرمایا ہے۔ اہل سنت ان کا اثبات کرتے ہیں اور تمام صفات نقص کی اس کی ذات سے نفی کرتے ہیں۔ اثبات صفات اور نفی صفات میں ان کی دلیل کتاب وسنت ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى۝۵ (طٰہٰ) ترجمہ: رحمٰن عرش پر مستوی ہوا۔

اہل سنت کا اعتقاد ہے کہ اس کا مستوی ہونا اس کی عظمت وجلال کے موافق ہے۔ استواء کے معنی میں تاویل نہیں کرتے کہ وہ غالب ہوا جیسا کہ تاویل کرنے والے کہتے ہیں بلکہ صفت استواء کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ صفت اللہ کے جلال وعلو کے مناسب ہے۔ استواء کے معنی "غلبہ" سے کرنا الفاظ کے معنی میں تبدیلی کرنا ہے۔ اور بلا دلیل اس کے اصل معنی ترک کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ (المائدہ: ۶۴) ترجمہ: بلکہ اسے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ کا ہاتھ ہے جو اس کی عظمت وجلال کے شایان شان ہے۔ اہل بدعت، معتزلہ وجھمیہ وغیرہ یہاں "ید" کے معنی قدرت ونعمت کے لیتے ہیں

وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا۝۲۲ۚ (الفجر)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار آئے گا اس حالت میں کہ فرشتے صف در صف ہوں گے"۔

اہل سنت کہتے کہ اس کا آنا اس کی عظمت وجلال کے مطابق ہوگا۔ جیسے اور جس طرح وہ چاہے اہل سنت کسی قسم کی تاویل نہیں کرتے' یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء وصفات کے متعلق ہے۔ جو قرآن وحدیث میں وارد ہیں۔ اس طرح اہل سنت معطلہ' جھمیہ اور مشبہّ کے درمیان ہیں۔ وہ لوگ صفات الٰہی میں اس لئے تاویل کرنے لگے کہ اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس کیا۔ پھر مخلوق کے نقائص وعیوب سے چھٹکارہ حاصل کرنے کی کوشش میں تاویل وانکار کی راہ پر چل پڑے۔ ان کی مثال اس شخص کی جیسی ہوگئی جو گرمی سے بچنے کی کوشش میں آگ کے قریب ہوجاتا ہے۔ اس طرح اور زیادہ تکلیف دہ چیز میں مبتلا ہوجاتا ہے۔

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے ناموں اور صفات پر ایمان لائے اور اللہ سبحانہ کے جلال وعظمت کے مناسب انہیں سمجھے۔ مدینہ منورہ کے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے بہت خوب جواب دیا ہے۔ ایک بدعتی شخص نے ان سے کہا۔ رحمن عرش پر مستوی ہوا۔ کیسے مستویٰ ہوا؟ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ ''استواء کا معنی معلوم ہے۔ کیفیت نامعلوم ہے۔ اور صفت استواء پر ایمان لانا واجب ہے اور کیفیت کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے''۔ پھر امام مالک نے حکم دیا کہ اس بدعتی کو مجلس سے نکال دیا جائے۔

امام مالک نے صفت استواء کے متعلق جو کہا ہے یہی قاعدہ ساری صفات الٰہی پر لاگو ہوتا ہے۔ اس عظیم قاعدہ کو ذہن نشین کرلینا چاہیئے تاکہ ہم فرقہ معطلہ کی گمراہی اور فرقہ مشبہ کے ٹیڑھے پن سے محفوظ رہ سکیں۔

اسماء وصفات الٰہی میں گمراہی کے اسباب

اسماء وصفات الٰہی پر ایمان لانا صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک تھا اسی مسلک پر امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم قائم تھی۔ یہاں تک کہ فرقہ جہمیہ ظاہر ہوا جو جہم بن صفوان کی طرف منسوب ہے' یہی شخص اس فرقہ کا بانی ہے۔ اسماء وصفات الٰہی کی نفی کے نظریہ کو جہم نے جعد بن

درہم سے سیکھا اور جعد نے اس نظریہ کو ابان بن سمعان سے حاصل کیا جس نے اس فکر کو مشہور یہودی جادوگر لبید بن الاعصم کے بھانجے طالوت یہودی سے اخذ کیا۔ اس طرح اسماء وصفاتِ الٰہی کی نفی کا نظریہ یہودیوں سے مسلمانوں میں پھیلا۔ جہم اور اس سے پہلے کے لوگ اس مسئلہ میں یہودیوں کے شاگرد تھے۔ دوسری صدی ہجری میں واصل بن عطاء اور عمرو بن عبید کی کوشش وجدوجہد سے یہ افکار عام طور پر پھیل گئے۔ یہ دونوں شخص فرقہ معتزلہ کے بانی تھے۔ جو اسماء الٰہی کو مانتے ہیں لیکن تمام صفات الٰہی کا یا تو انکار کرتے ہیں یا تاویل کرتے ہیں۔ پھر ان فرقوں کی شاخیں در شاخیں ہوئیں۔ یہ فرقے آج تک تاویل و تعطیل صفاتِ الٰہی میں کم وبیش مبتلا ہیں۔ ان کی تعطیل و تاویل صفات کی بنیاد ان کے خود ساختہ باطل قاعدہ ہے کہ صفات کے اثبات سے لازم آئے گا کہ اللہ کے لئے بھی جسم ہو''۔ یہ ان کی گمراہی کی بنیاد ہے۔ انہوں نے صفات الٰہی کو مخلوق کی صفات کی طرح سمجھا' اپنی فاسد آراء کی بنیاد پر انہوں نے اللہ کو مخلوق سے تشبیہ دی' پھر تشبیہ سے بچنے کے لیے صفات الٰہی کا انکار کر دیا اور نتیجہ میں انہوں نے اللہ جیسی عظیم الشان ذات کو ناقص و معدوم کے مثل بنا دیا۔ کتاب وسنت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بلند ذات کے لئے جن صفات کا ذکر کیا تھا۔ اس سے منہ موڑ لیا۔ اثبات صفات الٰہی ہی امت وائمہ امت کا مذہب رہا ہے۔ ائمہ دین نے صفاتِ الٰہی کو بغیر مشابہت کے ثابت کیا۔ اور اس کی تنزیہہ بغیر تعطیل کے کی ہے۔[1]

اس لئے کہ صفاتِ الٰہی میں غور و فکر دراصل ذات الٰہی میں غور و فکر کی شاخ ہے۔ فرقہ جہمیہ ومعتزلہ اللہ کی ذات کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کی ذات مخلوق کی ذاتوں کی طرح نہیں ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ اسی طرح اس کی صفات بھی مخلوق کی صفات کی طرح نہیں ہیں کیونکہ صفات

---

[1] تشبیہ کا معنی ہے اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دینا، تنزیہ کا معنی ہے اللہ کی ذات کو ہر عیب ونقص سے پاک قرار دینا۔ تعطیل کا معنی ہے کسی صفت کا انکار کرنا، سلف صالحین کا مسلک صفات الٰہی کے باب میں یہ تھا کہ جو صفات قرآن واحادیث صحیحہ سے ثابت ہوں ہم ان کو مانیں گے اور اللہ کی صفات کو مخلوق کی صفات پر قیاس نہ کریں گے اور تمام صفاتِ کمال کو اللہ کے لیے ثابت مانتے ہوئے اس میدان میں عقلی گھوڑے نہیں دوڑائیں گے۔

ذات کے تابع ہوتی ہیں۔ اہل سنت حدیث میں بیان کردہ صفات الٰہی کو مانتے ہیں اور ان کی بات میں کوئی تضاد نہیں ہے لیکن صفاتِ الٰہی کے منکرین نے اپنے مذہب کی بنیاد ایک باطل قاعدہ پر رکھی ہے جو عقل و نقل کے خلاف ہے۔

شرک اور اس کی اقسام

توحید اور اس کی اقسام کا بیان ہو چکا ہے۔ اب اس کی ضد شرک کے متعلق جاننا بھی ضروری ہے۔ عربی کا محاورہ ہے کہ ضد سے چیز واضح ہوتی ہے۔ اب مندرجہ ذیل امور پر گفتگو ہوگی۔

۱۔ شرک کی تعریف اور اس کی اقسام کا بیان اور ہر قسم کا حکم۔

۲۔ اس موضوع کا ہم اہتمام کیوں کرتے ہیں؟

۳۔ دنیا میں شرک کیسے آیا؟

۱۔ شرک اور اس کی اقسام کا بیان : شرک کا معنی ہے اللہ کے کسی حق میں غیر اللہ کو اللہ کے برابر کر دینا ہے۔ یعنی عبادت کی کسی قسم کو غیر اللہ کی طرف پھیر دینا۔ شرک کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) شرک اکبر (۲) شرک اصغر

شرک اکبر: اقسام عبادت میں سے کسی قسم کو غیر اللہ کے لئے کرنا شرک اکبر کہلاتا ہے جیسے غیر اللہ کے لئے قربانی کرنا' نذر ماننا' پکارنا' بتوں و اولیاء و نیک لوگوں کی دہائی دینا وغیرہ اس غرض سے کہ یہ لوگ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں گے اس قسم کا شرک کفر ہے۔ ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کے کسی عمل کو قبول نہ کرے گا۔ اس قسم کے شرک کا مرتکب اسی حالت میں مر جائے تو جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ غیر اللہ کو پکارتا تھا تو جہنم میں جائے گا۔ (بخاری)

شرک عظیم ترین گناہ ہے جو شرک کی حالت میں مر جائے اللہ تعالیٰ اسے کبھی بھی معاف

نہیں کرے گا۔ ارشادالٰہی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ (النسآء)

"اللہ اس بات کو بالکل معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کو چاہتا ہے معاف فرماتا ہے جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوٰىهُ النَّارُ ۚ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ (المائدہ)

ترجمہ: "جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو اللہ نے ایسے پر جنت کو بالکل حرام کر دیا ہے۔ اس کا ٹھکانہ آگ ہوگی۔ اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ وہ شرک کے عمل کو قبول نہ کرے گا۔ ارشاد ہوا:

وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾ (الفرقان)

ترجمہ: "اور جو کچھ ان کے اعمال ہیں ہم ان کا قصد کریں گے اور ان کو بکھرے ہوئے غبار کی طرح کر دیں گے"۔

شرک اصغر: شرک اصغر بڑے گناہوں میں سے ہے۔ یہ شرک اکبر سے کم درجے کا ہے شرک اصغر کا مرتکب جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ نہ رہے گا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت ہوگا۔ وہ اگر چاہے تو معاف کرے اور چاہے تو سزا دے۔ اسی طرح شرک کے علاوہ دیگر گناہوں کا معاملہ ہے۔

شرک اصغر کی مثال ریاکاری ہے۔ انسان کوئی نیک کام اس لئے کرے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اس کو نیک سمجھیں اور اس کی عزت کریں وغیرہ۔ ریاکاری خطرناک گناہ ہے یہ دل کا عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کو جانتے ہیں جس میں ریاکاری ہوتی ہے وہ عمل برباد ہو جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ڈرایا ہے۔آپ نے فرمایا ''مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر چھوٹے شرک کا ہے''۔جب آپ سے چھوٹے شرک کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ''وہ ریا کاری ہے'' (ابوداؤد) ریا کاری اخلاص کی نفی ہے۔اور عمل کی قبولیت کے اخلاص لازمی شرط ہے۔

شرک اصغر میں اس طرح کے جملے داخل ہیں ''اگر اللہ اور فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں کام نہ ہوتا''۔اور اگر اللہ اور فلاں شخص نہ چاہتا تو یہ کام نہ ہوتا'' وغیرہ کیونکہ ان جملوں میں اللہ اور غیر اللہ کی برابری کا احتمال پایا جاتا ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا ''جو اللہ اور آپ چاہیں'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کہنے سے منع فرمایا ''تم نے مجھے اللہ کے برابر کر دیا! ایسا مت کہو' بلکہ کہو جو صرف اللہ چاہے گا وہی ہوگا''۔

شرک اصغر میں غیر اللہ کی قسم بھی داخل ہے۔جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کھنا یا امانت کی یا زندگی کی یا کسی مخلوق کی' نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا''۔

شرک اصغر کی مثالیں بہت سی ہیں۔

ہمیں شرک اکبر اور شرک اصغر دونوں سے چوکنا رہنا چاہیئے یہ سب سے بڑا گناہ ہے کتاب وسنت کو اچھی طرح تھام لینے اور توحید کی تحقیق اور شرکیات سے دور ہو جانے اور عقائد کی بدعتوں سے بچنے سے اس سے بچاؤ ہو سکتا ہے۔

۲۔ہم اس موضوع کا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی ہے۔یہ بہت خطرناک جرم ہے اور چیونٹی کی چال سے زیادہ بے آواز ہے۔اس لئے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اس کو اچھی طرح پہچانے تا کہ اس سے بچ سکے۔اس سے بچنے کے اسباب تلاش کر سکے اور اس سے چوکنا رہ سکے۔اس موضوع کا اہتمام کرنے کے بہت سے اسباب ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

الف: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو خواہش نفسانی کے تحت نہیں بولتے ہیں۔آپ نے خبر

دی ہے کہ اس امت میں شرک واقع ہوگا اور امت کی طرف نسبت رکھنے والوں میں ایسے بھی ہوں گے جو بتوں کو پوجیں گے اور پرانے زمانے کے مشرکین کی راہ پر چلیں گے۔ اس سلسلے میں بہت ساری احادیث مروی ہیں۔ مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''رات دن نہ جائیں گے (یعنی قیامت نہ آئے گی) جب تک لات وعزیٰ کی دوبارہ پرستش نہ ہوگی'' (متفق علیہ)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ میری امت کے کچھ لوگ مشرکین سے نہ مل جائیں اور میری امت کے کچھ قبیلے بتوں کو نہ پوجیں''۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ سابقہ قوموں کی ضرور پیروی کرو گے بالشت بالشت بھر' گز گز بھر' یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوجائیں تو تم بھی داخل ہوں گے۔ (متفق علیہ)

اس مفہوم کی دیگر احادیث بکثرت مروی ہیں۔ ان تمام کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جن باتوں کی خبر دی تھی وہ واقع ہوچکی ہیں۔ آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اپنے دین حق سے انحراف کر کے قبروں ومزاروں سے چمٹ گئے ہیں۔ وہاں دھرنا مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور اللہ عزوجل کو چھوڑ کر ان قبروں واستھانوں پر قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

ب: ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ شرک کو پہچانے تاکہ اس سے بچے اور دور ہوجائے۔ اگر اس کو شرک کی پہچان نہ ہوگی تو بلاشعور واحساس کے وہ اس میں مبتلا ہوسکتا ہے۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ ''لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق پوچھا کرتے تھے اور میں آپ سے شر کے متعلق پوچھا کرتا تھا کہ کہیں اس میں مبتلا نہ ہوجاؤں''۔

ج: آج مسلمانوں کی عمومی حالت یہ ہوگئی ہے کہ شاید ہی کوئی آبادی ایسی ہو جہاں مزارات وقبر نہ ہوں۔ اور عرس' نذر ونیاز' قربانیاں وغیرہ نہ کی جاتی ہوں اور ان مزاروں وقبروں سے لوگ مدد نہ طلب کرتے ہوں چیختے وپکارتے و چراغاں نہ کرتے ہوں۔ یہ گمان کرتے ہوئے کہ اس طرح ہماری حاجات وغیرہ اللہ کے حضور پیش ہوں گی یا یہ قبر والے خود ہماری مشکلات کو دور کریں گے۔

ہر سمجھدار آدمی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مشرک میں جو بتوں سے مدد مانگتا ہے اور غیر اللہ کو پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بت وغیرہ ہمیں اللہ سے قریب کرتے ہیں اور اس مشرک میں جو قبر میں دفن شدہ شخص سے مدد مانگتا ہے اس کو پکارتا ہے اور نفع کے حصول اور نقصان سے بچنے کے لئے اس سے امید لگائے بیٹھتا ہے۔ آخر ان دونوں میں کیا فرق ہے۔؟ دونوں (مدفون اور بت) مخلوق ہیں وہ خود اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں تو دوسرے کو کیا نفع نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ عربی کا مقولہ ہے "جو کسی چیز کا مالک نہیں ہیں وہ اس کو کہاں سے دے سکتا ہے"۔ اس لئے غیر اللہ سے چمٹنا اور امید لگانا جائز نہیں ہے۔ مندرجہ بالا اسباب کی بناء پر ہمارے لئے ضروری ہوا کہ ہم شرک کو پہچانیں۔ اس کی حقیقت کو سمجھیں اور اس کے نقصان و مضرت کو بیان کریں۔

۳۔ دنیا میں شرک کے واقع ہونے کے اسباب: دنیا میں سب سے پہلے شرک نیک لوگوں کی محبت میں غلو کی وجہ سے آیا۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جہالت عام ہو جاتی ہے۔ علم دین کم ہو جاتا ہے تو شیطان دخل اندازی کر کے لوگوں کو نیک لوگوں کے وسیلہ کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ ان کی پرستش کی راہ کھل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۙ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ (نوح)

ترجمہ: "اور انہوں نے کہا کہ تم اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑو۔ تم ودٗ سواع' یغوث' یعوق اور نسر کو ہرگز نہ چھوڑنا"۔

اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام ہیں۔ جب ان لوگوں کا انتقال ہوا تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں خیال ڈالا کہ یہ نیک لوگ جہاں بیٹھے ہیں وہاں ان کے مجسمے نصب کئے جائیں تا کہ ان کی یاد تازہ رہے جب مجسمے نصب ہو گئے اور علم مٹ گیا تو زمانہ دراز کے بعد ان کی پوجا شروع ہوئی۔ (بخاری)

ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جس وقت ان بزرگوں کے مجسمے بنائے گئے تھے تو ان لوگوں کا منشا یہ تھا کہ جب بھی ان پر نگاہ پڑے گی ان کی زندگی، طور طریقے نگاہوں کے سامنے آجائیں گے اور ہم ان کی پیروی کریں گے۔ لیکن جب ایک مدت گذر گئی اور جاننے والے ختم ہو گئے اور جہالت عام ہوگئی اور علم مٹ گیا تو شیطان ان کے پاس آیا اور ان کی پرستش پر ابھارا اور ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈالنے لگا کہ تم سے پہلے کے لوگ ان کی پرستش کرتے تھے۔

انہی ناموں کے بت عربوں میں بھی بعثت محمدیہ کے وقت پائے جاتے تھے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے غلو سے روکا ہے اور فرمایا ہے۔

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ...... (النساء: ۱۷۱)

ترجمہ: "اے اہل کتاب تم تمہارے دین میں غلو مت کرو"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غلو سے بچو اس لئے کہ غلو نے تم سے پہلے کے لوگوں کو برباد کر دیا ہے۔ (نسائی واحمد)

۵۔ عبادت اور اس کی اقسام

عبادت کے لغوی معنی فرماں برداری وانکساری کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں عبادت ان تمام اقوال وافعال کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن کو اللہ پسند فرماتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے۔ عبادت کی دو بنیادیں ہیں (۱) عبادت کو صرف اللہ کے لئے کر دینا (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی پیروی کا ضروری ہونا۔ یہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو عبادت صحیح نہ ہوگی۔ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

عبادت کی اقسام بہت سی ہیں۔ ہر قسم کی عبادت کو صرف اللہ کے لئے خالص کرنا واجب ہے۔ کسی بھی قسم کی عبادت کو غیر اللہ کے لئے کرنا شرک وکفر ہے۔ چونکہ عبادت کی اقسام بہت

سی ہیں۔اس لئے ہم مثال کے طور پر بعض اقسام کا ذکر کرتے ہیں۔

ا۔**الدعاء:** اللہ تعالیٰ سے نفع و بھلائی کے حصول اور نقصان و شر کے دفع کرنے کا سوال کرنا اس سوال کا اللہ کے لئے خالص ہونا ضروری ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ (المؤمن)

ترجمہ: ''تمہارے پروردگار نے کہہ دیا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔جو گھمنڈ کی وجہ میری عبادت سے منہ موڑتے ہیں وہ ضرور ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں جائیں گے''۔

اللہ عزوجل نے فرمایا:۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (الاعراف: ۵۵)

ترجمہ: تم اپنے پروردگار کو گڑ گڑاتے ہوئے چپکے چپکے پکارو''۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دعا ہی عبادت ہے''۔ (ابوداؤد)

نصوص سابقہ سے معلوم ہوا کہ دعا عبادت کی مخصوص و اہم قسم ہے۔اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اسی سے دعا کرنے کا حکم دیا بلکہ غیر اللہ سے دعا کرنا حرام قرار دیا ہے۔فرمایا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ﴿۵﴾ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۶﴾ (الاحقاف)

''اس شخص سے زیادہ گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اس کو پکار رہا ہے جو قیامت تک اس کو جواب نہیں دے سکتا بلکہ وہ اس کی پکار سے بے خبر ہے اور جب لوگ (میدان حشر میں) جمع ہوں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پکار کے منکر ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ﴿۱۳﴾ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۭ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۭ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾ (الفاطر)

ترجمہ: ''اس کو (معبود) کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کی جھلی کے بھی مالک نہیں ہیں۔ تم انہیں پکارتے ہو حالانکہ وہ تمہاری پکار کو نہیں سن سکتے۔ اور اگر سن بھی لیں تو تم کو جواب نہیں دے سکتے۔ اور قیامت کے دن تمہارے شرک کا انکار کریں گے۔ اور تمہیں بڑی باخبر ذات کی طرح کوئی نہیں بتلاسکتا''۔

مندرجہ بالا آیتیں اور اسی مفہوم کی دیگر آیتیں غیر اللہ سے دعا کرنے کے نقصان وخطرنا کی کو بتلاتی ہیں۔ پتہ نہیں مسلمان ان آیتوں سے کیسے بے خبر ہو گئے ہیں۔ کیونکہ بیشتر مسلمان غیر اللہ کو پکارتے ہیں۔ بالخصوص مزاروں کے پاس اور ان کے خود ساختہ اولیاء کے پاس اور گمان کرتے ہیں کہ وہ ان کی دعاؤں کو سنتے ہیں شیطان ان کے مشرکانہ افعال کو ان کے ذہنوں میں اچھا اور درست بتلاتا ہے۔ حق بات کے سننے سے ان کے کانوں کو بند کر دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ ان کی عقلیں اتنی گم ہو جاتی ہیں کہ وہ قبر میں مٹی میں دفن شدہ مردہ کے متعلق یقین کر لیتے ہیں کہ وہ ان کو اچھی چیزیں دلوا سکتا ہے۔ اور نقصان سے انہیں بچا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۷۶﴾ (المائدہ)

ترجمہ: آپ پوچھئے کہ کیا تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزیں کی پرستش کرتے ہو جو تم کو نہ نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ فائدہ۔ اور اللہ ہی خوب سننے والا' خوب جاننے والا ہے''۔

۲۔ الاستغاثہ (دہائی دینا) : مصیبت زدہ شخص کا مصیبت وآفت کو دور کرنے کی درخواست کرنا۔ یہ بھی دعا کی قسم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ (الانفال:۹)۔

ترجمہ:"اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سن لی"۔

صحیح حدیث میں ہے کہ ایک منافق عبداللہ بن سلول مسلمانوں کو اذیت دیتا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس چلو اور اس منافق کے خلاف فریاد کرو"۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مجھ سے فریاد نہیں کی جاتی ہے بلکہ اللہ ہی سے فریاد کی جاتی ہے"۔ (مسند احمد)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے فریاد رسی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ اہل ایمان کو اس منافق کی زیادتیوں سے بچانے پر قادر تھے۔ پھر بھی آپ نے فریاد رسی کے لفظ کا انکار کیا ہے کہ شرک کی راہ کا ذریعہ بھی بند ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور کسی اور انسان سے فریاد رسی جائز نہیں ہے۔

۴۔ نذر ماننا: انسان کا کسی ایسی عبادت واطاعت کو اپنے اوپر واجب کر لینا جو واجب نہ تھی نذر کہلاتا ہے۔ جب مقصود رضاء الٰہی ہو تو نذر انسان کو اللہ کے قریب کر دیتی ہے۔ بشرطیکہ یہ عبادت اسی کے لئے خالص ہو۔ اور یہ نذر اس شخص کی طاقت واستطاعت میں ہو جیسے کسی محتاج کا کہنا کہ میں اتنے دن روزے رکھوں گا یا اتنی تعداد میں نماز پڑھوں گا وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ نے نذر پوری کرنے والوں کی تعریف فرمائی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:۔

يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ۝ (الدھر)

ترجمہ: وہ نذر کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت ہر طرف پھیلنے والی ہوگی"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اللہ کی اطاعت کی نذر مانی ہو اسے وہ اطاعت ادا کرنی چاہیئے۔ جس نے معصیت الٰہی کی نذر مانی ہو اسے معصیت کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے۔ (بخاری)

۴۔قربانی: یہ عبادت کی ان اقسام میں سے ہے جس میں لوگ گمراہ ہوگئے اوراس کے ذریعہ غیر اللہ کا تقرب تلاش کرنے لگے۔اولیاء وصالحین کی قبروں کے پاس قربانیاں کرنے لگے کہ یہ صدقہ فلاں پیر کے بغیر اللہ تک نہیں پہنچ سکتا ہے یہی حقیقی شرک اکبر ہے۔اللہ تعالیٰ نے قربانی ودیگر اعمالِ عبادت کو اسی کے لئے خالص کرنے کا حکم دیا ہے۔ارشاد الٰہی ہے:۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ (الانعام)

ترجمہ: ''آپ اعلان کردیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت صرف اللہ کے لئے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔اس کا کوئی حصہ دار نہیں ہے۔مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔اور میں سب سے پہلے اطاعت کرنے والوں میں سے ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴿۲﴾۔(الکوثر)

ترجمہ: ''پس تم تمہارے رب ہی کے لیے نماز پڑھو،اور قربانی دو۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو''۔ (مسلم)

بلکہ آپ نے ان جگہوں پر قربانی کرنے سے بھی منع فرمایا جہاں غیر اللہ کی عبادت ہوتی ہو یا جاہلیت کے زمانے میں میلے لگتے تھے۔

ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ بوانہ کے مقام پر اونٹ ذبح کرے گا۔بوانہ مدینہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا ''کیا وہاں کوئی بت ہے جس کی پرستش ہوتی ہے۔انہوں نے کہا ''نہیں'' آپ نے فرمایا: ''اپنی نذر ادا کرو'' معصیت الٰہی میں نذر کی ادائیگی جائز نہیں ہے اور نہ اس چیز کی نذر جو انسان کی استطاعت میں نہیں ہے''۔ (ابوداؤد)

عبادت کی اور بھی بہت سی اقسام ہیں۔مثلاً محبت' خوف وامید' عاجزی' خشیت وغیرہ وہ تمام چیزیں جن کے ذریعہ قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ان چیزوں میں سے کسی بھی چیز کے ذریعہ غیر اللہ کی قربت حاصل کرنا چاہے تو اس نے غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ شریک کر دیا۔اوپر کی آیات جن میں اخلاص کا حکم دیا گیا ہے۔انسان پر واجب ولازم کرتی ہیں کہ عبادت کی ساری اقسام کو صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے خاص کر دے۔

منتر وتعویذ کا حکم

منتر وہ کلمات ودعائیں ہیں جن کو پڑھ کر بیمار پر پھونکا جاتا ہے۔منتروں کے کلمات والفاظ کے اعتبار سے ان کا حکم بھی مختلف ہوتا ہے پتھر کے نگ وپوتھ وغیرہ کو تعویذ کہا جاتا ہے ۔جو بچوں کے گردنوں اور ان کے بازوں میں لٹکائے جاتے ہیں۔بسا اوقات بڑی عمر کے آدمی بھی گردن وبازو میں تعویذ لٹکا لیتے ہیں تا کہ نظر بد وآفات سے بچیں۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''منتر وتعویذ وجادو بالکل شرک ہیں''۔ (ابوداؤد)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی زینب رضی اللہ عنہا کے جسم پر ایک دھاگہ دیکھا دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھوں میں بیماری ہے۔اس لئے دھاگہ پر دم کر کے لٹکا لیا ہے۔عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس دھاگہ کو توڑ دیا اور فرمایا ''عبداللہ کے گھر والوں کو شرک کی ضرورت نہیں ہے شیطان انگلی ٹھونستا رہتا ہے۔جب یہودی دم کرتا ہے تو خاموش ہو جاتا ہے تم بس اتنا کہو۔

أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِي لاَ شَفَاءَ إِلاَّ شِفَاؤُكَ شِفَاءً لاَ يُغَادِرُ سَقَماً (ابوداؤد)

ترجمہ: اے لوگوں کے پروردگار! تکلیف کو دور کر دے۔مجھے شفا عطا فرما' تو ہی شفا

دینے والا ہے' تیرے ہی پاس شفا ہے۔ایسی شفا عطا کر کہ بیماری دور ہو جائے''۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مذکورہ بالا حدیث سے تین چیزوں منتر' تعویذ اور جادو کا شرک ہونا ثابت ہوا۔منتر کے متعلق تفصیلی کلام ہے۔شرکیہ وحرام منتر وہ کلمات ہیں جن میں کسی بھی قسم کے شرکیہ الفاظ ہوں۔مثلاً غیر اللہ سے پناہ طلب کرنا' مدد مانگنا وغیرہ وغیرہ۔

جو منتر شرکیہ کلمات سے پاک ہوں وہ جائز ہیں۔مطلق دم کرنے و منتر کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ بلکہ بعض احادیث میں منتر کرنے کی اجازت ہے۔اس لئے منتر کو جائز و ناجائز میں تقسیم کیا گیا ہے۔امام بخاریؒ و مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔''منتر کرنا جائز نہیں ہے سوائے نظر بد اور ڈنک کے علاج کے لئے''۔

نظر بد کا مطلب آدمی کا کسی بھی اچھی چیز کو دیکھ کر یا اس پر نگاہ پڑتے ہی اللہ کی بڑائی نہ کرنا اور ماشاء اللہ نہ کہنا ہے۔نظر بد حقیقت ہے اور اس کی تاثیر صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔''نظر بد حقیقت ہے''۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ سے منتروں کے متعلق دریافت کیا جن کو وہ لوگ زمانہ جاہلیت میں پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا۔''اپنے منتر میرے سامنے پیش کرو۔منتر میں شرکیہ کلمات نہ ہوں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے''۔(مسلم)

نبی ﷺ نے دم کیا۔آپ پر پڑھ کر دم کیا گیا۔متعدد احادیث سے دم کرنا ثابت ہے۔ اس لئے منتر دم کرنا' پڑھ کر پھونکنا مندرجہ ذیل شرائط کے تحت ہو تو جائز ہے۔

(۱) کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ثابت ہو۔اللہ کے اسماء حسنیٰ یا صفات الٰہی کے ذریعہ کیا گیا ہو۔یا سلف صالحین سے ثابت شدہ مسنون دعاؤں کے ذریعہ کیا گیا ہو۔

(۲) عربی زبان میں ہو۔اگر منتر کرنے والا عربی زبان سے اچھی طرح واقف نہ ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ وہ دعا قرآن وحدیث کے موافق ہو۔

(۳) یہ عقیدہ رکھے کہ منتر خود سے اثر نہیں کر سکتا۔شفاء تو اللہ کے پاس ہے۔یہ منتر

شفاء کے حصول کے جائز ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے۔

تعویذ باندھنا کسی بھی حال میں جائز نہیں ہے۔ اس کا باندھنا و لٹکانا حرام ہے۔ اگر یہ عقیدہ ہو کہ تعویذ نفع یا نقصان دیتا ہے تو شرک اکبر کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے صحیح حدیث مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص جس چیز سے دل لگاتا ہے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے''۔ (ترمذی)

یعنی اللہ عزوجل اس کو چھوڑ دیتا ہے اور اس شخص کو اس چیز کے حوالہ کر دیتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جو تعویذ لٹکائے اللہ اس کی مراد کو پوری نہ کرے''۔ (احمد)

دوسری روایت میں ہے۔ ''جس نے تعویذ باندھی اس نے شرک کیا''۔ (احمد)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جس کے ہاتھ میں پیتل کا کڑا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''یہ کیا ہے؟ اس شخص نے کہا ''جوڑوں کی بیماری کے علاج کیلئے ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اس کو نکال دو اس لئے کہ اس سے تمہاری بیماری اور بڑھے گی۔ اور اگر تم اسی حالت میں مر جاؤ تو ہرگز کامیاب نہ ہو گے''۔ (ابن ماجہ)

حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ہاتھ میں ایک دھاگہ بخار سے بچاؤ کے لئے باندھا ہے۔ آپؓ نے اس کو توڑ دیا اور یہ آیت تلاوت کی۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿١٠٦﴾ (یوسف)

ترجمہ: ان میں سے اکثر شرک کرتے ہوئے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں''۔

بکثرت دلائل سے ثابت ہوا کہ ہر طرح کی تعویذ حرام ہے۔ قرآنی ہو یا غیر قرآنی جس نے یہ کہا کہ قرآنی تعویذ جائز ہے۔ اس کی بات ناقابل توجہ ہے کیونکہ اس کی بات بے دلیل ہے اور بے دلیل بات قابل توجہ و اعتبار نہیں ہوتی ہے۔ دلیل و وجہ ہو تو غور کیا جاتا ہے۔ بعض حضرات قرآنی آیات کی تعویذیں لکھ کر بیماروں کے گردنوں میں لٹکاتے ہیں۔ یہ حرام ہے بالکل جائز نہیں ہے۔ قرآنی تعویذ و غیر قرآنی تعویذ دونوں کی حرمت یکساں ہے۔ اس کے اسباب

مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) احادیث میں تعویذ کی ممانعت عام ہے۔کوئی استثناء منقول نہیں ہے۔اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ حکم عام کی عمومیت پر عمل ہوگا الا یہ کہ استثناء کی کوئی دلیل ہو۔

(۲) قرآنی تعویذ گردن یا ہاتھ میں باندھنا قرآن سے کھیلنا ہے اور اس کے عدم احترام کی دلیل ہے کیونکہ انسان اسی حالت میں بیت الخلاء حمام و دیگر گندے مقامات پر چلا جاتا ہے۔

(۳) حرام میں مبتلا کرنے والے راستوں و ذرائع سے بچنا ضروری ہے۔کیونکہ قرآنی تعویذ کی اجازت دینے پر لوگ غیر قرآنی تعویذ بھی باندھنے لگیں گے۔موجودہ دور میں عملاً یہی صورتحال واقع ہے۔

(۴) قرآنی تعویذ باندھنے ولٹکانے کا ثبوت سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف اس طرح کی منسوب روایات صحیح نہیں ہیں۔اگر یہ طریقہ جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو بیان فرماتے اور ہم تک صحیح سند سے پہنچتا۔اس لئے کہ ضرورت کے وقت شرعی مسئلہ کو چھپانا جائز نہیں ہے۔

دوسری طرف اس زمانے میں پیشہ ور دھوکے باز لوگ موجود ہیں۔جو کاغذات پر لوگوں کو تعویذیں لکھ لکھ کر دیتے ہیں کہ شفاء ہوگی۔اور ان تعویذات کو لوگوں کے گردنوں میں ڈال دیتے ہیں تاکہ باطل طریقے سے لوگوں کے مال کو ہضم کرلیں۔مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسے مکاروں و دھوکے بازوں سے بچیں اور ان کے پاس علاج و معالجہ نہ کرائیں۔کیونکہ یہ لوگ کتاب اللہ سے کھیلتے ہیں۔اور اپنی مکاری سے کمزور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

وسیلہ

وسیلہ کے لغوی معنی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ مطلوب کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ یا وہ واسطہ وسبب ہے جو مراد تک پہنچاتا ہے۔

لغت کے ماہر ابن الاثیر "النھایۃ" میں تحریر فرماتے ہیں۔ "واسل راغب کو کہتے ہیں اور وسیلہ قربت وواسطہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ مقصود تک پہنچا جائے اور اس کی قربت حاصل کی جائے۔ وسیلہ کی جمع وسائل ہے۔

قرآن مجید میں وسیلہ کے معنی : وسیلہ کے جو لغوی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ یہی معنی وتفسیر سلف صالح نے قرآن کریم میں واردشدہ لفظ وسیلہ کی ہے۔ جس کا مفہوم اعمال صالحہ کے ذریعہ قربت الٰہی کو حاصل کرنا ہے۔ قرآن کریم میں دو جگہ وسیلہ کا لفظ آیا ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۳۵﴾ (المائدہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو امید کہ تم کامیاب ہوگے"۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴿۵۷﴾ (بنی اسرائیل)

ترجمہ: وہ لوگ جن کو یہ پکار رہے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کا تقرب حاصل کرنے کے لئے وسیلہ تلاش کر رہے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ درحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب ڈرنے ہی کے لائق ہے"۔

امام المفسرین ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ " اتقوا اللّٰہ" اللہ سے ڈرو یعنی اوامر ونواہی کی پابندی کر کے اللہ کی اطاعت کرو۔ " وابتغوا الیہ الوسیلۃ" اور اس کی

طرف وسیلہ ڈھونڈو یعنی اس کی پسند کے اعمال کر کے اس کا تقرب حاصل کرو۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ آیت میں وسیلہ کا معنی تقرب چاہنا ہے۔ یہی تفسیر مجاھد، حسن بصری، عبداللہ بن کثیر، سدی اور ابن زید وغیرہ سے منقول ہے۔ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے "اس کی اطاعت اور اس کے پسند کے عمل کے ذریعہ اس کا تقرب حاصل کرو۔ ابن کثیر فرماتے ہیں۔ "یہ تفسیر ائمہ کرام کی ہے مفسرین کے مابین اس لفظ کی تفسیر میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور وسیلہ وہ چیز ہے جس کے ذریعے مقصود کو حاصل کیا جاتا ہے۔

دوسری آیت "أولئک الذین یدعون" کا شان نزول بزرگ صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے جس سے اس کا معنی ومفہوم واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ "بعض انسان جن کی پرستش کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے لیکن یہ انسان ان کی پرستش میں مبتلا رہ گئے"۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ "جو انسان جنوں کی پرستش میں مبتلا تھے وہ اسی حالتِ شرک میں باقی رہ گئے جبکہ وہ جنات مسلمان ہو گئے۔ وہ ان کی پرستش کو ناپسند کرنے لگے اور اپنے پرودگار کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گئے"۔ مذکورہ آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ نے صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ تفسیر روایت کی ہے اس آیت میں صراحت ہے کہ وسیلہ سے مراد اللہ سے قریب کرنے والی چیز ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے "یبتغون" اللہ کے قریب کرنے والے نیک اعمال کو ڈھونڈتے ہیں۔ وسیلہ کی یہ تفسیر جو سلف صالح سے منقول ہے اس کی تائید لغت اور فہم سلیم سے ہوتی ہے۔

جن حضرات نے مذکورہ بالا دونوں آیتوں سے انبیاء وصالحین کی ذوات اور ان کے حق وحرمت کے واسطے سے توسل کا جواز نکالا ہے۔ ان کی یہ تفسیر واستدلال باطل ہے۔ بلکہ کلمات قرآنی کو ان کے معانی سے ہٹا دینا اور لفظ کو اس کے ظاہری معنی ومفہوم سے دور کر دینا اور قرآن

وحدیث سے غلط مفاہیم نکالنے کی ناکام کوشش ہے۔اس کے علاوہ سلف صالح ومعتبر مفسرین میں سے کسی سے بھی اس طرح کی تفسیر ثابت نہیں ہے۔

یہ بات واضح ہوگئی کہ وسیلہ سے مراد وہ اعمالِ صالحہ ہیں جن سے قربت الٰہی حاصل ہوتی ہے۔اس لئے ان اعمال صالحہ کا شریعت سے ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اعمال کا اختیار ہمارے ذمہ نہیں کیا ہے اور نہ ان کی وضاحت وتعین ہمارے عقل وذوق پر چھوڑی ہے۔ ورنہ اختیار و وضاحت میں اختلاف وتضاد ہو جاتا۔اس لئے اس نے ہمیں حکم دیا کہ ان چیزوں کی معرفت کے لئے اس کی طرف رجوع ہوں اور ان معاملات میں اس کی ہدایات وتعلیمات کی پیروی کریں۔اللہ عزوجل کس بات کو پسند فرماتے ہیں اس کا علم اسی ذات حق کو ہے اسی لئے ہم پر ضروری ہے کہ تقرب الٰہی کے وسائل کی معرفت کے لئے ہر مسئلہ میں اللہ عزوجل کی نازل کردہ شریعت اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ سنت کی طرف رجوع ہوں۔یعنی کتاب الٰہی وسنتِ رسول کی طرف برابر مراجعت کرتے رہیں۔

اس سے قبل یہ بات گذر چکی ہے کہ عمل جب تک اللہ کے لئے خالص اور شریعت کے مطابق نہ ہو درست نہیں ہوسکتا۔اسی بنیاد پر وسیلہ کی دو قسمیں ہو جاتی ہیں۔

(ا) شرعی وسیلہ (۲) بدعتی وسیلہ

شرعی وسیلہ:

کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرعی وسیلہ کی تین اقسام ہیں۔

ا۔اسماء الٰہی اور صفات الٰہی کا وسیلہ ۲۔اعمال صالحہ کا وسیلہ

۳۔متقی مومن کی دعا کا وسیلہ

ان تین اقسام کی تفصیل دلائل کے ساتھ مندرجہ ذیل ہے۔

اسماءالٰہی وصفات الٰہی کاوسیلہ: مثلاً کسی مسلمان کا اس طرح کہنا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْأَلُكَ بِأَنَّكَ أَنْتَ اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ أَنْ تُعَافِيَنِيْ"۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں کہ آپ ہی اللہ بڑے رحم کرنے والے بہت رحمت دینے والے بڑے زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔ آپ مجھے عافیت عطا کیجئے۔''

یا یوں کہے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْئَلُكَ بِرَحْمَتِكَ الَّتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ أَنْ تَرْحَمَنِيْ وَتَغْفِرَلِيْ۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کی رحمت کے واسطے سے آپ سے مانگتا ہوں۔ آپ کی رحمت تمام چیزوں کو شامل ہے۔ آپ مجھ پر رحم کیجئے اور میری مغفرت فرمایئے''۔

اسی طرح کی دعائیں جن میں اللہ کے بہترین ناموں اور اس کی بلند صفات کا واسطہ ہو۔ کتاب الٰہی وسنتِ رسول سے اس طرح کا وسیلہ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلِلّٰهِ الْأَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ أَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٨٠﴾ ۔ (الاعراف)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی:۔

"اَللّٰهُمَّ بِعِلْمِكَ الْغَيْبَ وَقُدْرَتِكَ عَلَى الْخَلْقِ أَنْ أَحْيِنِيْ مَا عَلِمْتَ الْحَيَاةَ خَيْرًا لِّيْ وَتَوَفَّنِيْ إِذَا عَلِمْتَ الْوَفَاةَ خَيْرًا لِّيْ"۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: اے اللہ آپ کے علم غیب کے واسطے سے اور مخلوق پر قدرت کے واسطے سے میں دعا کرتا ہوں کہ آپ کے علم میں جب تک میری زندگی میرے لئے بہتر ہو مجھے زندہ رکھئے اور جب موت آپ کے علم میں میرے لئے بہتر ہو تو مجھے وفات دیجئے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعاءِ استخارہ کرتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ أَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ أَسْأَلُكَ مِنْ

فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ۔ (بخاری)

ترجمہ: اے اللہ میں آپ کے علم کے ذریعہ خیر طلب کرتا ہوں اور آپ کی قدرت سے قدرت چاہتا ہوں اور میں آپ کے عظیم الشان فضل سے مانگتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے: "يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ"

ترجمہ: اے کامل زندہ اے کائنات کو تھامنے والے میں آپ کی رحمت کے واسطے سے دہائی دیتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکلیف میں مبتلا ہوتے تو یوں دعا فرماتے تھے:۔

اَسْأَلُكَ اَللّٰهُمَّ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِي كِتَابِكَ اوعَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِي عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ۔ (احمد)

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے آپ کے ہر اس نام کے واسطے وسیلے سے مانگتا ہوں جو آپ نے اپنے لئے رکھا یا اپنی کتاب نازل کیا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اس کو صرف اپنے پاس علم غیب میں رکھا ہے"۔

اس طرح کی مسنون دعائیں بہت سی ہیں جن میں اسماء حسنیٰ وصفات علیا کے واسطے ووسیلے سے دعا کی گئی ہے۔

۲۔ تقریب الٰہی کیلئے نیک اعمال کا وسیلہ: وہ اعمال تقرب الٰہی کا وسیلہ ہو سکتے ہیں جن میں دونوں شرطیں مکمل ہوں۔ مثلاً دعا کرنے والا یوں کہے:"اے اللہ آپ پر ایمان لانے اور آپ سے محبت اور آپ کے رسول کی اتباع کے وسیلے وواسطے سے میری مغفرت فرما دیجئے"۔

اس طرح کی شرعی دعائیں کافی ہیں۔ قرآن میں مومنین کی دعا یوں ہے"۔

رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ (آل عمران)

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار بلاشبہ ہم ایمان لائے۔ آپ ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمائیے اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچا لیجئے"۔

اہل ایمان نے گناہوں کی مغفرت اور آگ کے عذاب سے بچنے کیلئے ایمان کو واسطہ بنایا

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ۔

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہم آپ کی نازل کردہ وحی پر ایمان لائے اور رسول کی اتباع کی پس آپ ہمیں گواہوں میں لکھ دیجئے۔

ایمان والوں نے اللہ عزوجل سے گذارش کی کہ انہیں گواہوں میں شمار کردے اور اس کے لئے ایمان واتباع رسول کو وسیلہ بنایا۔

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ (آل عمران)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار بے شک ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف دعوت دے رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لائے۔ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کی مغفرت فرما اور ہماری برائیوں کو مٹادے اور ہم کو نیکوکاروں کے ساتھ اٹھالے۔''

اس آیت میں ایمان والوں نے اللہ سبحانہ سے گناہوں کی مغفرت اور برائیوں کو مٹانے اور نیکوں کاروں کے ساتھ آخری انجام ہونے کی دعا کی ہے۔ اور ایمان لانے کو وسیلہ بنایا۔

بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ اَنَّكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔ (آل عمران:۵۳)

ترجمہ: اے اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں۔ کیونکہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ اللہ ہیں جو نہ جنے اور جنے گئے اور آپ کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اس اسم اعظم کے وسیلے

سے مانگا ہے کہ اس کے ذریعہ جب بھی مانگا جاتا ہے تو وہ دیتا ہے۔ اور اس کے وسیلہ سے جب دعا کی جاتی ہے تو وہ قبول کر لیتا ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)

اعمال صالحہ کو وسیلہ بنانے کی دلیل حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی ہے:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ تین آدمی ایک غار میں پھنس گئے۔ انہوں نے آپس میں کہا کہ ہر ایک اپنے عمل کے واسطے سے دعا کرے۔ ایک نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی خدمت کو وسیلہ بنایا۔ اور دوسرے نے موقع میسر ہونے کے باوجود محض اللہ کے ڈر سے زنا سے باز آنے کو وسیلہ بنایا اور تیسرے نے اپنی امانت داری کو وسیلہ بنایا۔ ان کی دعا قبول ہوئی اور غار کا راستہ کھل گیا۔ یہ قصہ بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مسلمان کے خالص نیک اعمال اس کے لئے تقرب الٰہی کا وسیلہ بن سکتے ہیں۔

۳۔ نیک انسان کی دعا کا وسیلہ : مثلاً کوئی مسلمان سخت تنگی و پریشانی میں مبتلا ہو جائے یا اس پر کوئی بڑی مصیبت آ جائے اور وہ جانتا ہے کہ اس نے اللہ کی اطاعت میں کمی و کوتاہی کی تھی اور وہ چاہتا ہے کہ تقرب الٰہی کیلئے کسی مضبوط سبب کو پکڑے۔ اس لئے وہ کسی نیک متقی انسان کے پاس جائے یا کتاب و سنت کے عالم باعمل کے پاس جائے اور اس سے گزارش کرے کہ وہ اس کے لئے پروردگار سے دعا کرے تاکہ اس کی مشکل آسان ہو جائے اور پریشانی دور ہو جائے۔ یہ نیک انسان کی دعا کا وسیلہ ہے۔ سنت رسول و عملِ صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے۔ اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مال برباد ہو رہا ہے۔ اور راستے ویران

[1] شرعی وسیلہ کی تینوں اقسام میں سب سے افضل اسماء الٰہی کا وسیلہ ہے۔ قرآن میں صراحۃً اس کا حکم ہے۔ اور اس کے بعد اعمال صالحہ کا وسیلہ ہے۔ متعدد انبیاء کرام و صالحین کی قرآنی دعاؤں میں اس کا ذکر ہے۔ زندہ نیک آدمی کی دعا وسیلہ صرف سخت مصیبت میں لیا جا سکتا ہے اور بکثرت نہیں ہونا چاہیے۔

ہورہے ہیں۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ ہم پر بارش نازل کرے''۔ نبی ﷺ نے دعا کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اتنے اونچے اِٹھائے کہ میں نے آپ کے بغل کی سفیدی دیکھی۔ آپ کہنے لگے۔ ''اے اللہ ہمیں بارش عطا کر' اے اللہ ہمیں بارش عطا کر' اے اللہ ہمیں بارش عطا کر'' تمام حاضرین بھی آپ کے ساتھ ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے لگے''۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

''اللہ کی قسم جس وقت ہم دعا شروع کئے تھے آسمان میں نہ کوئی بادل تھا اور نہ کوئی ابر کا ٹکڑا اور نہ کوئی چیز۔ ہمارے اور سلع پہاڑ کے درمیان نہ کوئی گھر تھا اور نہ کوئی مکان۔ اچانک سلع پہاڑ کی طرف سے ڈھال کی طرح ایک بادل نکلا۔ جب آسمان کے بیچ میں آ گیا تو پھیل گیا پھر بارش شروع ہوگئی۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ابھی ہاتھ بھی نیچے نہیں کئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل چھا گئے۔ آپ جب منبر سے اترے تو میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کی داڑھی سے بارش کا پانی ٹپک رہا ہے۔ (مسجد کی چھت کھجور کے پتوں کی تھی) پھر ہم نماز پڑھ کر پانی میں شرابور گھروں تک پہونچے۔ اور بارش اگلے جمعہ تک جاری رہی۔ دوسرے جمعہ وہی بدوی یا کوئی دوسرا آدمی آیا اور کہا ''اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا کیجئے کہ بارش ہم سے روک لے''۔ نبی ﷺ مسکرائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کر کے فرمایا ''اے اللہ ہمارے اطراف ہو ہمارے اوپر نہیں۔ ٹیلوں پر' کھیتوں و پہاڑوں پر۔ اور بادل چھٹ گئے اور مدینہ کے اطراف بارش ہونے لگی۔ مدینہ میں کچھ بھی بارش نہ تھی۔''

(متفق علیہ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ ثابت ہے۔ انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بارش کے لئے عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ سے دعا کراتے تھے۔ آپ کہتے تھے ''اے اللہ! ہم آپ کے نبی کو وسیلہ بناتے تھے۔ اور آپ ہمیں پانی عطا کرتے تھے۔ اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کو وسیلہ بناتے ہیں۔ آپ ہمیں سیراب کیجئے انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دعا کے بعد بارش نازل ہوتی تھی۔

عمر رضی اللہ عنہ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا کو وسیلہ بنانے کا مطلب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا اور ان سے دعا کی گذارش اور ان کی دعا کو تقرب الٰہی کا ذریعہ بنانا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا اور آپ سے دعا کروانا ممکن نہ رہا تو عمر رضی اللہ عنہ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے دعا کی درخواست کرتے تھے۔ اور اللہ سے دعا کرتے تھے کہ ان حضرات کی دعاؤں کو قبول فرمائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسے نہیں کہتے تھے۔ ''اے اللہ آپ کے نبی کی جاہ کے واسطے سے ہمیں بارش عطا کیجئے''۔ اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد انہوں نے کہا ''اے اللہ عباس کی جاہ کے واسطہ سے ہمیں بارش عطا کیجئے۔ اس طرح کی دعائیں بدعت ہیں۔ قرآن وسنتِ رسول سے ان کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور نہ سلفِ صالحین میں سے کسی نے ایسا کیا ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قحط پڑا۔ آپ نے بزرگ تابعی یزید بن اسود رحمۃ اللہ علیہ سے دعا کروائی۔ اگر کسی کی ذات، جاہ یا حرمت کا وسیلہ لینا ثابت ہوتا تو عمر و معاویہ رضی اللہ عنہما بارش کی دعا کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و جاہ کا وسیلہ چھوڑ کر عباس و یزید بن اسود سے دعا کی درخواست نہ کرتے اور نہ ان کی دعاؤں کا وسیلہ لیتے۔

بدعتی وسیلہ:

پچھلے صفحات میں وسیلہ اور اس کی اقسام اور ان کے دلائل کا بیان ہو چکا ہے۔ یہ بات واضح ہو گئی کہ شرعی وسیلہ کے علاوہ دوسرے وہ تمام وسیلے جو حق و جاہ و حرمت وغیرہ کے ذریعہ لئے جاتے ہیں۔ وہ سب بدعت ہیں۔ قرآن مجید اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا کوئی ثبوت نہیں ہے قرآن و حدیث سے عدم ثبوت ہی ان کے باطل ہونے کے لئے کافی ہے۔ اسی لئے محققین علماء نے ہر دور میں ان بدعتی وسیلوں کا رد کیا ہے۔ بعض حضرات نے ان وسیلوں کو جائز کہا ہے۔ حالانکہ ان کی بات بے دلیل ہے۔ اور کتاب وسنت کی ان واضح تعلیمات کے خلاف ہے جن

میں بدعتوں وئی چیزوں کو دین میں داخل کرنے سے منع کردیا گیا ہے۔

بعض شبہات اوران کا جواب

جو حضرات ذات وجاہ کے وسیلہ کے قائل ہیں۔ان کے دلائل دو باتوں سے خالی نہیں ہیں۔یا تو انہوں نے صحیح نصوص میں تلبیس وتحریف سے کام لیا ہے اور صحیح بات سے غلط مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔یا انہوں نے نا قابل اعتماد ضعیف ومن گھڑت روایات سے کام لیا ہے۔ان دونوں باتوں کو ہم مختصر انداز میں واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی چیز نصوص میں دھوکہ دہی وتلبیس ہے۔ذات کے وسیلہ کو جائز کہنے والے دو حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ ان دو حدیثوں سے ان کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔پہلی حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے قحط کے زمانہ میں عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بارش مانگی اور کہا ''اے اللہ ہم آپ کی طرف آپ کے نبی کے ذریعہ وسیلہ پکڑتے تھے تو آپ ہم کو سیراب کرتے تھے۔اور اب ہم آپ کے نبی کے چچا کا وسیلہ لیتے ہیں۔آپ ہمیں بارش عطا کیجئے''۔اس دعا کے بعد بارش نازل ہوتی تھی۔

یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ،عباس رضی اللہ عنہ کی جاہ کا وسیلہ پکڑتے تھے۔عمر رضی اللہ عنہ اپنی دعا میں عباس رضی اللہ عنہ کا صرف نام لیتے تھے اور ان کے نام کے ذریعہ اللہ سے دعا کرتے تھے کہ ان کی وجہ سے بارش نازل کردے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بات کی تائید کرتے تھے۔اس طرح توسلِ ذات کے قائلین کے نزدیک اس حدیث سے ذات کا وسیلہ ثابت ہو گیا۔

یہ استدلال پانچ اسباب پر باطل ہے۔

(ا) ذات کا وسیلہ یا جاہ کا وسیلہ جائز ہوتا ہے تو عمر رضی اللہ عنہ،رسول اللہ کی ذات کا وسیلہ

چھوڑ کر عباس رضی اللہ عنہ کی ذات کا وسیلہ اختیار نہ کرتے۔ کیونکہ نبی ﷺ افضل المخلوقات ہیں اور عباس رضی اللہ عنہ آپ کے مقابلے میں بہت کم درجے والے ہیں بلکہ عمر رضی اللہ عنہ جانتے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ ﷺ کی دعا کا وسیلہ لیتے تھے۔ جو آپ کے عہد زندگی میں ممکن تھا۔ آپ دعا فرما دیتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماتا۔

(۲) انسان جب شدید ضرورت میں ہو تو فطری طور پر سب سے بڑے وسیلے کو ڈھونڈتا ہے۔ جو اس کو مقصود تک پہنچا دے۔ انتقال کے بعد رسول ﷺ کا وسیلہ جائز ہوتا تو عمرؓ آپ کے وسیلہ کو ہرگز نہ چھوڑتے کیونکہ وہ اس وقت قحط و خشک سالی میں مبتلا تھے۔ اسی لئے اس سال کو "ہلاکت کا سال" کہا جاتا ہے۔

(۳) حدیث کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ سے متعدد دفعہ بارش کی دعا کروائی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی قحط ہوتا تو عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے بارش کی دعا کرواتے تھے۔ اگر یہ ذات کا ہی وسیلہ ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ بار بار افضل کو چھوڑ کر مفضول کا وسیلہ نہ لیتے۔

(۴) ذات کے وسیلہ کے قائلین اور ہم اس بات پر متفق ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کے کلام میں مضاف پوشیدہ ہے۔ "اے اللہ ہم آپ کے نبی کا وسیلہ پکڑتے تھے"۔ ہم کہتے ہیں کہ نبی کے وسیلہ سے مراد نبی کی دعا کا وسیلہ ہے۔ اور مخالفین کہتے ہیں کہ نبی کے وسیلہ سے مراد نبی کی ذات کا وسیلہ ہے۔ مضاف کی تعین میں اختلاف ہوا۔ اس اختلاف کو حل کرنے کیلئے احادیث رسول کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ و دیگر صحابہ کرام گھروں میں بیٹھ کر یہ نہیں کہتے رہے کہ اے اللہ ہم کو عباس کے وسیلہ سے بارش عطا کر بلکہ میدان میں جمع ہوئے۔ عباس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے گذارش کی کہ بارش کے لئے دعا کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعا کا وسیلہ مراد

ہے نہ کہ ذات وجاہ کا۔ اگر ذات یا جاہ کا وسیلہ مراد ہوتا تو اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھروں ہی میں بیٹھ کر آپ کی ذات اور جاہ کا وسیلہ پکڑتے اور بارش طلب کرتے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام وجاہ میں آپ کے انتقال سے کچھ کمی نہیں ہوئی ہے۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی جانتے تھے کہ انتقال کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری حالت میں ہیں جو دنیا کی حالت سے جدا ہے۔ جب تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ تھے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے دعا کی گذارش کرتے تھے لیکن وفات کے بعد آپ عالم برزخ میں چلے گئے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ عالم برزخ دنیوی زندگی اور اس کی کیفیت سے بالکل مختلف ہے۔

(۵) نیک انسان سے دعا کرانے کا عمل صحابہ رضی اللہ عنہم سے متعدد دفعہ واقع ہوا ہے۔ معاویہؓ نے مشہور نیک نام تابعی یزید بن اسود رحمۃ اللہ علیہ سے بارش کے لئے دعا کروائی ہے۔

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے بعد آپ کے وسیلہ سے دعا نہیں کرتے تھے بلکہ کسی نیک 'زندہ' دعا پر قادر انسان کو تلاش کرتے تھے اور اس سے گذارش کرتے تھے کہ وہ ان کے لئے اللہ سے دعا کرے۔ اگر ذات وجاہ کا وسیلہ پکڑنا شرعاً جائز ہوتا تو صحابہ رضی اللہ عنہم سب سے پہلے اس وسیلہ کو اختیار کرتے۔ کیونکہ وہ لوگ ہر چھوٹی بڑی چیز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کامل اتباع کرتے تھے۔ اور اگر یہ وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہوتا تو وہ ہم تک ضرور پہنچاتے۔

دوسری حدیث ایک نابینا صحابی کی روایت ہے۔ امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''ایک نابینا شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور کہا ''اللہ سے دعا کریں کہ مجھے اس تکلیف سے نجات ملے'' آپ نے فرمایا ''اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے دعا کروں گا اور اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے''۔ انہوں نے کہا ''آپ ضرور دعا کریں''۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اچھی طرح وضو کریں اور دو رکعت پڑھ کر یہ دعا کریں۔

اللّٰهم انی اسالك واتوجه اليك بنبيك محمد نبی الرحمة یا محمد انی توجهت بك الی ربی فی حاجتی هذه فتقضی لی۔ اللهم فشفعه فی وشفعنی فیه۔

ترجمہ: اے اللہ میں آپ ہی سے مانگتا ہوں اور آپ کے نبی رحمت کے نبی محمد کے ذریعہ میں آپ کا قصد کرتا ہوں۔ اے محمد میں آپ کے ذریعہ اپنے پروردگار کا قصد کرتا ہوں کہ میری اس ضرورت کی تکمیل کی جائے۔ اے اللہ ان کی سفارش کو میرے حق میں قبول فرما۔ اور ان کے متعلق میری درخواست کو قبول فرما"۔

راوی کہتے ہیں کہ اس شخص نے ایسے ہی کیا تو اس کی تکلیف دور ہوگئی اور وہ چنگا ہو گیا۔

توسلِ ذات کے قائلین اس حدیث سے نبی و صالحین کی جاہ کے توسل کے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اس نابینا صحابی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا وسیلہ پکڑا تو بینا ہو گیا۔ درحقیقت یہ استدلال صحیح نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث شرعی وسیلہ کی تیسری قسم یعنی نیک انسان کی دعا کے وسیلہ پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) نابینا صحابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تا کہ آپ ان کے لئے دعا کریں۔ اس طرح انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا وسیلہ پکڑا۔ کیونکہ آپ کی دعا دوسروں کی دعاؤں کے بالمقابل زیادہ قبول ہوتی ہے۔ اگر آپ کی ذات یا جاہ کا وسیلہ جائز ہوتا تو ان صاحب کو آپ کے پاس آنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی بلکہ اپنے گھر میں بیٹھے رہتے اور آپ کی ذات یا جاہ کے وسیلے سے دعا کرتے لیکن اس کے برخلاف وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دعا کا وعدہ کیا اور یہ بھی بتلایا کہ افضل کونسی چیز ہے۔

(۳) نابینا صحابی نے دعا کرنے پر اصرار کیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا کی کیونکہ آپ وعدہ کی پابندی کرتے تھے۔ آپ نے ان سے دعا کا وعدہ کیا تھا۔

(۴) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو دعا سکھلائی تھی اس میں یہ الفاظ ہیں "اے اللہ ان کی سفارش کو

میرے حق میں قبول فرما'' ان الفاظ کو ذات یا جاہ یا حق کے وسیلہ پر محمول کرنا محال ہے۔ کیونکہ ان کلمات کا معنی یہ ہے کہ بصارت لوٹانے کے لئے نبی ﷺ کی دعا قبول فرما۔ لغت میں شفاعت کے معنی دعا کے آتے ہیں۔

(۶) نبی ﷺ نے ان نابینا صحابی کو یہ سکھلایا کہ وہ دعا میں کہیں ''ان کے حق میں میری دعا قبول فرما'' یعنی نبی ﷺ کی دعا کی قبولیت کے لئے میری دعا کو قبول فرما۔ اس کے علاوہ اس جملہ کا اور کوئی مطلب نہیں ہوسکتا۔

مخالفین ان ساری تفصیلات سے بالکل پہلو تہی برتتے ہیں۔ کیونکہ یہ تفصیلات ان کے مقصود و مدعا کے خلاف ہیں۔

(۷) اس حدیث کو علماء کرام نے نبی ﷺ کے معجزات اور آپ کی مقبول دعاؤں میں ذکر کیا ہے۔ آپ کی دعا کی برکت سے غیر معمولی امور اور بیماریوں سے شفاء حاصل ہوئی ہے۔

آپ ﷺ کی دعا سے ان نابینا صحابی کی بینائی اللہ تعالیٰ نے لوٹا دی۔ محدث امام بیہقی و دیگر مصنفین نے اس واقعہ کو آپ کی نبوت کے دلائل میں ذکر کیا ہے۔ اس تفصیل سے واضح ہوا کہ نابینا صحابی کی شفایابی کا اصل سبب نبی ﷺ کا دعا کرنا ہے۔ اگر صرف ان نابینا صحابی ہی کا دعا کرنا کافی ہوتا تو دیگر نابینا حضرات کی دعائیں بھی قبول ہوتیں اور ان کی بینائی لوٹ آتی یا کسی نہ کسی کی بینائی ضرور لوٹ آئی ہوتی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا اور شائد کبھی نہ ہوگا۔ اس مباحثہ و جائزہ سے واضح ہوا کہ ذات کے وسیلہ کے قائلین کا نابینا صحابی کی حدیث سے ذات کے وسیلہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے۔ بلکہ شروع سے آخر تک دعا کا بیان ہے۔ دعا کرنے والا نیک عمل کرتے ہوئے دعا کرے اور کسی نیک انسان سے دعا کروائے تو اس کی حاجت کی تکمیل ہوسکتی ہے۔ بینائی کا لوٹنا نبی ﷺ کے معجزات میں سے ہے۔

دوسرا شبہ : ذات و جاہ کے وسیلہ کے قائلین ضعیف و من گھڑت احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ ان کی تردید میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ وہ ضعیف و من گھڑت ہیں۔ مختصراً اہم بعض

ضعیف احادیث کا ذکر کر دیتے ہیں۔

(۱) ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو امام احمد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ''اے اللہ میں مانگنے والوں کے آپ پر عائد شدہ حق کے وسیلہ سے مانگتا ہوں''۔ یہ حدیث عطیہ عوفی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ نووی نے ''الاذکار'' میں اور ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''القاعدہ الجلیلۃ'' میں اور ذہبی نے ''المیزان'' میں عطیہ عوفی کو ضعیف قرار دیا ہے۔ بلکہ ذہبی نے ''الضعفاء'' جلد اول صفحہ ۸۸ میں لکھا ہے کہ عطیہ عوفی کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے۔ الھیثمی نے مجمع الزوائد میں کئی جگہ عطیہ عوفی کی ضعیف قرار دیا ہے۔

(۲) حاکم نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے ''جب آدم علیہ السلام سے غلطی ہوگئی تو انہوں نے کہا۔ ''اے پروردگار! میں محمد کے وسیلہ سے آپ سے دعا کرتا ہوں۔ میری غلطی معاف کر دیجئے''۔ اللہ نے کہا ''اے آدم! تم نے محمد کو کیسے جانا حالانکہ میں نے ان کو پیدا ابھی نہیں کیا؟'' انہوں نے کہا ''اے پروردگار! جب آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور آپ کی روح کو مجھ میں پھونکا تو میں نے سر اٹھایا تو دیکھا عرش کے پایوں پر لکھا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' میں نے جان لیا کہ آپ نے اپنے نام کے ساتھ اپنی محبوب مخلوق کے نام کو جوڑ لیا ہے''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا''۔

یہ حدیث من گھڑت ہے۔ امام ذہبی نے اس روایت کو جھوٹی قرار دیا ہے اور کہا کہ عبدالرحمن راوی بالکل ضعیف ہے۔ اور دوسرا راوی عبداللہ بن اسلم الفھری نامعلوم ہے اور اس کا ایک راوی عبداللہ بن مسلم بن رشید ہے جس کے متعلق حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اس پر ابن حبان نے حدیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔ وہ لیث و مالک کے نام پر احادیث گھڑتا تھا۔ اور ایک راوی ابن لھیعۃ ہے۔ جس کی روایتیں لکھنا جائز نہیں ہے۔

(۳) ''میری جاہ کا وسیلہ پکڑو کیونکہ میری جاہ اللہ کے نزدیک عظیم الشان ہے'' یہ

حدیث من گھڑت ہے۔ کتب احادیث میں اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ متن بعض بدعتیوں اور قبر پرستوں کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

بلاشبہ آپ ﷺ کی جاہ اللہ کے نزدیک عظیم الشان ہے۔ بلکہ آپ ساری مخلوق میں افضل ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں۔ اور کوئی فخر کی بات نہیں ہے"۔ آپ کی فضیلت کے باوجود جاہ وحرمت کے وسیلہ کی آپ نے تعلیم نہیں دی ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جاہ وحرمت کا وسیلہ باطل ہے۔

کچھ اور من گھڑت احادیث ہیں جن کو مخالف حضرات اپنے باطل مسلک کی تائید میں بیان کرتے ہیں۔ طولِ بیان سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ کیونکہ ساری احادیث کا مفہوم وہی ہے جو گزشتہ احادیث میں گذر چکا ہے۔ ذات کے وسیلہ کے متعلق ایک بھی قابل اعتماد حدیث وارد نہیں ہے۔

قبرستان کی زیارت کا حکم

قبرستان کی زیارت کا شریعت میں حکم ہے۔ البتہ اس طرح نہیں جس طرح آج کل لوگ کر رہے ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ قبرستان کی زیارت صرف مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کیلئے نہیں ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "میں نے تم کو قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا۔ سن لو قبرستان کی زیارت کیا کرو۔ کیونکہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہے"۔ (ترمذی)

اس حدیث میں زیارت قبرستان کا حکم ہے۔ مردوں وعورتوں دونوں کو شامل ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث سے مردوں کی تخصیص ہوجاتی ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے قبروں کی خوب زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت بھیجی ہے"۔ (ترمذی، ابن ماجہ)۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردوں کیلئے قبرستان کی زیارت مستحب ہے۔ عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ اس بات کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے منع کیا گیا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ عورتوں کے لئے دو وجوہات کی بنا پر

قبرستان کی زیارت منع ہے۔پہلی وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''زوروھا'' مذکر کا صیغہ استعمال فرمایا ہے۔عورتیں بھی اس حکم میں عمومیت کی وجہ سے شامل ہوسکتی ہیں لیکن یہ کمزور دلیل ہے۔ جمہور علماء کے نزدیک عام خاص دلیل کا مقابل نہیں ہوسکتا اور نہ اس کو منسوخ ہی کرسکتا ہے۔اگر خواتین اس عام حکم میں داخل ہوتیں تو ان کے لئے بھی قبرستان کی زیارت مستحب ہوتی۔لیکن کسی بھی امام وعالم نے عورتوں کے لئے قبرستان کی زیارت کو نہ مستحب قرار دیا ہے اور نہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانے میں خواتین قبرستان کی زیارت کیا کرتی تھیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیارت قبور کی اجازت کا سبب یہ بتلایا ہے کہ وہ موت کی یاد دلاتی ہے اور دل کو نرم کرتی ہے اور آنکھ سے آنسو بہاتی ہے۔(مسند احمد)۔خواتین قبرستان کی زیارت کریں گی تو وہ چیخ و پکار، جزع وفزع شروع کریں گی۔آنسو بہانے پر اکتفا نہیں کریں گی۔کیونکہ ان کے اندر کمزوری وصبر کی کمی ہوتی ہے۔

سابقہ گفتگو سے واضح ہوا کہ قبرستان کی زیارت سے مقصود نصیحت وعبرت حاصل کرنا اور مردوں پر سلامتی بھیجنا ہے اور ان کے لئے دعا کرنا ہے۔رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں زیارت قبور کی دعا سکھلائی ہے۔اور وہ یہ ہے:

السَّلامُ عليكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَالمومِنِيْن۔يَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُستاَخِرِيْنَ وَاَنَّا اِنْ شاَءَ اللهُ بِكُمْ للاَحِقون۔ (مسلم)

ترجمہ: یہاں رہنے والے مسلمانو ومومنو تم پر سلامتی ہو۔اللہ تعالیٰ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم فرمائے اور بے شک ہم انشاءاللہ تم سے ملنے والے ہیں۔

اس طرح کی اور دعائیں مروی ہیں۔اس کے برخلاف آج کل لوگ قبروں کے پاس اپنے لئے دعا کرتے ہیں۔اور ان کو چھوتے ہیں یا ان کی طرف رخ کرتے ہیں تاکہ برکت طلب کریں یا خیر کو حاصل کریں یا نقصان سے بچ سکیں۔یہ سب بدعت کے اعمال ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں ان سے ڈرایا ہے۔بسا اوقات انسان ان کاموں کی وجہ سے شرک میں مبتلا

ہوجاتا ہے۔ بالخصوص اگر کسی میت کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ اس کی بات سنتا ہے اور اس کی پکار کا جواب دیتا ہے یا غیب کو جانتا ہے یا تکلیف کو دور کرتا ہے وغیرہ تو ایسا شخص شرک کا مرتکب ہوتا ہے۔

یہاں ایک بات قابل ذکر و توجہ یہ ہے کہ قبرستان کی زیارت مردوں کے لئے مسنون طریقہ کے مطابق مستحب ہے لیکن اس کے لئے سفر کر کے کسی دوسرے مقام پر جانا جائز نہیں ہے۔ بلکہ مسلمان اپنے شہر ہی کے قبرستان کی زیارت کر لے گا۔ اسے زیارتِ قبرستان کے لئے سفر کرنے و کوچ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صحیح حدیث کے مطابق رختِ سفر باندھنا صرف تین مسجدوں کیلئے جائز ہے۔ مسجد حرام (کعبہ) مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسجد اقصیٰ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رختِ سفر باندھنا صرف تین مساجد کے لئے جائز ہے۔ مسجد حرام، میری اس مسجد اور مسجد اقصیٰ کیلئے (متفق علیہ)

اس دور میں قبروں کی تعظیم، ان کو بلند کرنا، ان پر گنبدوں کی تعمیر اور ان کو مسجدیں بنا لینے کی مصیبت بہت بڑھ گئی ہے۔ حالانکہ ان امور کی ممانعت کا ذکر بکثرت احادیث میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض احادیث مندرجہ ذیل ہیں۔

بخاری و مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سکرات کی کیفیت طاری ہوگئی تو آپ اپنے چہرے پر ایک کپڑا ڈال لیتے اور جب بے چینی محسوس ہوتی تو اس کو ہٹا لیتے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا، اللہ کی لعنت ہو۔ یہود و نصاریٰ پر، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا"۔

مسلم نے جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتقال سے پانچ دن قبل یہ فرماتے ہوئے سنا ہے "سن لو! تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے تھے۔ سن لو! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنالینا۔ میں تم کو اس چیز سے منع کرتا ہوں"۔

امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بدترین لوگ وہ ہوں گے جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجدیں بنالیا کرتے ہیں"۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت قبور کے متعلق سنتوں کو اور آپ کے حکم وممانعت کو اور آپ کے ساتھیوں کے عمل کو جان لے اور آج کے لوگوں کے عمل وطریقہ کو دیکھے تو دونوں کے درمیان تضاد وتناقص پائے گا۔ دونوں چیزیں وطریقے اکٹھا نہیں ہوسکتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی طرف رخ کرکے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ قبروں کے پاس اوران کی طرف رخ کرکے نماز پڑھتے ہیں۔ آپ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ ان پر مسجدیں بناتے ہیں اوران کا نام اللہ کے گھروں مساجد کے مقابل مشاہد (درگاہ) رکھتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر روشنی وچراغاں کرنے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ قبروں پر روشنی کرنے کے لئے جائدادیں وقف کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے پاس عید منانے سے منع کیا ہے اور یہ لوگ قبروں کے پاس عید (عرس وبرسی) مناتے ہیں۔ عید کی طرح یا عید سے بڑھ کران کا اہتمام کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پختہ قبروں کو مٹانے کا حکم دیا ہے۔ ابوالھیاج الاسدی کہتے ہیں کہ مجھ سے علی رضی اللہ عنہ نے کہا "کیا میں تمہیں اس کام کے لئے روانہ نہ کروں جس کے لئے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روانہ کیا تھا۔ تم جس مجسمہ کو پاؤ اس کو مٹادو اور جس اونچی قبر کو دیکھو اس کو زمین کے برابر کردو"۔ (مسلم)

ثمامہ بن شفی کہتے ہیں کہ ہم فضالہ بن عبید کے ساتھ روم کے شہر رودس میں تھے۔ ہمارے ایک ساتھی کا انتقال ہوگیا۔ فضالہ نے ان کی قبر کو برابر کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبروں کے (زمین کے) برابر کرنے کا حکم دیتے ہوئے سنا ہے"۔ (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کو زمین کے برابر کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ لوگ ان دونوں

حدیثوں کے بالکل برخلاف کرتے ہیں۔قبروں کو گھروں کی طرح تعمیر کرتے ہیں۔پھران پر گنبد کا بھی اضافہ کر دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے اوراس پرعمارت بنانے سے منع فرمایا ہے جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو پختہ بنانے'اس پر بیٹھنے'اس پرعمارت تعمیر کرنے اور پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ (مسلم)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے اوراس پر لکھنے سے منع فرمایا ہے۔(ابوداؤد'ترمذی) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے اور یہ لوگ قبروں کے سرہانے تختیاں لگاتے ہیں اوران پر قرآنی آیات وغیرہ لکھ دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کی مٹی کے علاوہ دوسری مٹی بڑھانے سے منع فرمایا ہے۔جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبر کو گچ کرنے یااس پر لکھنے یااس پر دوسری چیز کے بڑھانے سے منع کیا ہے"۔ (ابوداؤد)اور یہ لوگ قبر پر اینٹ'پتھر اور سمنٹ کا اضافہ کرتے ہیں۔

ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ لوگ (صحابہ کرام) قبروں پر اینٹ رکھنے کو ناپسند کرتے تھے۔

میت کا زندہ شخص سے مستفید ہونا

اہل سنت و جماعت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ فوت شدہ مسلمان زندہ مسلمانوں کی کوشش سے مستفید ہوسکتے ہیں۔یہ کام دو طرح سے ہوتا ہے۔

پہلی قسم ان کاموں پر مشتمل ہے جن کو میت نے اپنی زندگی میں کیا تھا۔جیسے اوقاف' وصیت وصدقہ جاریہ کی تمام اقسام۔میت کے ان کاموں سے جو بھی شخص مستفید ہوگا میت کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔

دوسری قسم زندوں کا مردوں کے لئے دعاء مغفرت ورحمت کرنا اور میت کی طرف سے زندہ مسلمان کا صدقہ وخیرات کرنا ہے۔ جسے ایصال ثواب کہا جاتا ہے۔ میت کی طرف سے اگر کوئی حج کرے یا روزہ رکھے اس کا اجر وثواب میت کو پہنچے گا یا نہیں۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

پہلی قسم کی دلیل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب آدم کا بیٹا مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزوں کا ثواب اس کو پہنچتا رہتا ہے۔ صدقہء جاریہ اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہو اور مفید علم''۔

دوسری قسم یعنی مردوں کا زندوں کی دعا سے مستفید ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝١٠ (الحشر)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے خلاف کینہ نہ رکھ۔ اے ہمارے پروردگار بے شک تو بڑا ہی مہربان اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فوت شدہ اہل ایمان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا مومنین کا شیوہ قرار دیا ہے۔

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے رہتے اور فرماتے ''اپنے بھائی کے لئے مغفرت طلب کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو۔ اس لئے کہ اب اس سے پوچھا جا رہا ہے''۔ (ابوداؤد)

زیارت قبرستان کی دعا بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ زندوں کی دعاؤں سے مردوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

صدقہ وخیرات کے ثواب پہنچنے کا ثبوت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا ''میری ماں کا انتقال ہو گیا۔ وہ وصیت نہ کر سکی۔

میرا گمان ہے کہ اگر اس کو کچھ کہنے کا موقعہ ملتا تو صدقہ کے لئے کہتی۔ اگر میں اس کی طرف صدقہ کروں تو کیا اس کو ثواب ملے گا۔" آپ نے فرمایا "ہاں" (بخاری)

روزہ سے ثواب پہنچنے کا ثبوت امام بخاری کی روایت کردہ حدیث ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "جس شخص کا انتقال ہو جائے اور اس کے ذمہ (رمضان یا نذر کے) روزہ رہ گئے ہوں تو اس کی طرف سے اس کا ولی روزہ رکھے گا"۔ (بخاری) صحیح قول یہ ہے کہ نذر و غیر نذر کے روزوں کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

حج کے ثواب کے پہنچنے کی دلیل امام بخاری کی روایت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک خاتون نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور کہا "میری ماں حج کی نذر مانی تھی۔ لیکن حج کرنے سے قبل اس کا انتقال ہو گیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ "اس کی طرف سے حج کرو۔ اگر تمہاری ماں کا قرض ہوتا تو کیا تم اس کو ادا نہیں کرتی تھیں؟ اللہ کا قرض ادا کرو، اس لئے کہ اللہ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حقدار ہے"۔ (بخاری)۔

اس حدیث اور اسی مفہوم کی دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے متوفی رشتہ دار کی طرف سے اس شرط پر حج کر سکتا ہے، جبکہ متوفی نے حج نہیں کیا تھا کیونکہ وہ معذور تھا اور یہ حج بدل کرنے والا شخص اپنا حج کر چکا ہو۔ اس مسئلہ پر مزید توسع و قیاس کی گنجائش نہیں ہے۔ مثلاً معاوضہ دیکر حج کروانا وغیرہ اگرچہ فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لیکن اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اس لئے صرف دلیل سے ثابت شدہ چیز کر لینا چاہئے۔ اس پر قیاس آرائی جائز نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ زندہ شخص اپنے متوفی رشتہ داروں کی طرف سے حج کر سکتا ہے۔

سابقہ تفصیل سے واضح ہوا کہ چار قسم کی عبادتوں سے متوفی کو ثواب پہنچ سکتا ہے۔

(۱) دعا (۲) خیرات (۳) روزہ (۴) حج اوران کے دلائل بھی بیان ہو چکے ہیں۔ (۱)

دیگر عبادتیں نماز' تلاوتِ قرآن اور ذکر وغیرہ کے ذریعہ میّت کو ثواب پہنچانے کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ ان امور کے قائلین کے پاس کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ احادیث سے ثابت شدہ عبادات کو غیر ثابت شدہ عبادات پر قیاس کریں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ عبادات توقیفی ہیں ان پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

تمام اگلے وپچھلے علماء کا اجماع ہے کہ ایصال ثواب کے لئے اجرت پر تلاوت قرآن کرنا جائز نہیں ہے۔ اجرت پر تلاوت قرآن کا قائل سلف صالحین میں کوئی نہ تھا اور نہ کسی مستند امام نے اس کی اجازت دی ہے۔ بعض متاخرین نے لوگوں کے مال کو باطل طریقے سے کھانے کیلئے یہ کام اختیار کیا۔ بات یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ ان لوگوں نے باقاعدہ آفس کھول لئے تا کہ کسی شخص کا انتقال ہوجائے تو اس متوفی کے رشتہ داران کے پاس آئیں اوران کو معاوضہ دیکر قرآن خوانی کروائیں۔ پھر اجرت میں کمی وزیادتی اور بھائی تاؤ تک کی نوبت آئی۔ یہ لوگ کسی شخص کے مرنے کے بعد جلسے منعقد کرتے ہیں۔ قرآن کی تلاوت وکھانے پینے کا اہتمام ہوتا ہے۔ بسا اوقات متوفی کے انتقال کے ایک ہفتہ بعد یا چالیس دن بعد یا ایک سال کے بعد اس طرح کے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ اور بعض لوگ سالانہ برسی کا اہتمام کرتے ہیں۔ یہ سب بدعتی وایجاد کردہ کام ہیں۔ میت کو ان چیزوں سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ معاوضہ لیکر تلاوت قرآن حرام ہے۔ اگر میّت کے وارثین معمولی حیثیت کے لوگ ہوں تو بالکل سخت حرام ہے۔ یہ غریبوں

(۱) علماء امت نے عبادات کی دو قسمیں کی ہیں۔ بدنی عبادت اور مالی عبادت۔ بدنی عبادت کا ثواب صرف کرنے والے کے لئے ہوتا ہے۔ اس سے ایصال ثواب ثابت نہیں ہے۔ البتہ میت کے ذمہ روزے رہ گئے ہوں تو اس کا ولی انہیں ادا کرسکتا ہے۔ یا ہر روزہ کے عوض مسکین کو کھانا کھلائے گا۔ نفل روزوں کے ذریعہ ایصال ثواب ممکن نہیں ہے۔ حج وعمرہ چونکہ مالی عبادات بھی ہیں اس لئے ان کے ذریعہ ایصال ثواب جائز ہے۔ مال کے ذریعہ ایصال ثواب کبھی کبھار مخصوص حالات میں ہو تو جائز ہے۔ پابندی کے ساتھ اور بکثرت ایصال ثواب خلافِ سنت ہے۔ صاحب مال کو اپنے لئے ذخیرہ آخرت بنانے کی فکر کرنی چاہیئے۔ اور مُردوں کے لئے زندوں کی طرف سے بہترین تحفہ دعا ہے۔

کے مال کو باطل طریقہ سے ہڑپ کرلینا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ نماز وتلاوت قرآن میں دوسرے کی نیابت جائز نہیں ہے۔اسی طرح معاوضہ دیکر نماز پڑھوانا یا تلاوت کروانا بلاکسی اختلاف کے حرام ہے۔خواہ متوفی کے گھر میں تلاوت کی جائے یا اس کی قبر کے پاس یا کسی اور جگہ۔ یہ سب کام بدعت ہیں اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے متوفی کے گھر والوں کے لئے کھانے کے انتظام کا حکم دیا ہے۔ جب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا تیار کرو۔ اس لئے کہ ان پر مصیبت آئی ہے جو ان کو مشغول کئے ہوئے ہے''۔(ترمذی،احمد)

آج مسلمان اس سنتِ رسول کی کھلی خلاف ورزی کررہے ہیں۔ مسلمانوں پر واجب ہے کہ اس طرح کی جاہلیت کی چیزوں سے دور ہوجائیں اور سنت مطہرہ کی پیروی کریں۔

نبوت ورسالت

نبی اور رسول کے درمیان تفریق کیلئے علماء کرام سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ان اقوال میں غور وتدبر کے بعد شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ کی تعریف سب سے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام کتاب النبوات میں لکھتے ہیں۔ نبی وہ شخص ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ وحی کرتے ہیں کہ وہ سابقہ شریعت کی پیروی کرے اور ان کو کفار کی طرف مبعوث نہیں کیا جاتا ہے کہ ان تک اللہ کا پیغام پہنچائیں اور کسی متعین واقعہ میں ان کی طرف مخصوص وحی آتی ہے۔انبیاء کے پاس وحی الٰہی آتی ہے کہ ان کو اور مومنین کو کیا کرنا ہے؟ اور انہیں کن چیزوں کا حکم دیا جارہا ہے؟ اور رسول وہ شخص جن پر وحی نازل ہوتی ہے۔ پھر ان کو حکم ہوتا ہے کہ مخالفین تک اللہ کے پیغام کو پہنچائیں جیسے نوح علیہ السلام۔

صحیح حدیث میں ہے ”نوح علیہ السلام اہلِ زمین میں پہلے رسول ہیں اور ان سے پہلے انبیاء تھے جیسے شیث وادریس علیہم السلام“۔ (کتاب النبوت)

نبی اور رسول اسی قوم کے افراد ہوتے ہیں۔ موت وزندگی کی ساری حالتیں ان پر طاری ہوتی ہیں جو دیگر انسانوں پر طاری ہوتی ہیں۔ دوسرے انسان جس طرح غذا' پانی' نیند' آرام' لباس اور شادی وغیرہ کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس طرح انبیاء ان امور کے محتاج ہوتے ہیں۔ اور ان پر رسالت اور تبلیغ کی ذمہ داری ہے۔ یعنی انبیاء ورسولوں پر وحی آتی ہے۔ اور اس کی تبلیغ کا ان کو حکم ہوتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔

قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوۡحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ ...(الکہف:۱۱۰)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تو محض تم جیسا ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جارہی ہے کہ تمہارا معبود تو درحقیقت تنہا معبود ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

مَا الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيۡقَةٌ ؕ كَانَا يَاۡكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ ... (المائدۃ:۷۵)

ترجمہ: مریم کے بیٹے مسیح تو محض رسول ہیں۔ ان سے قبل بہت سارے رسول گذر چکے ہیں۔ اور ان کی ماں صدیقہ ہیں۔ وہ دونوں کھانا کھاتے تھے۔

تمام قوموں میں ہر زمانے میں رسولوں کی دعوت ایک ہی رہی ہے۔ اور وہ اللہ کی خالص بندگی کی دعوت دینا اور انسان کو شرک کی آمیزش اور بدعتوں وگناہوں سے بچانا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

شَرَعَ لَكُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوۡحًا وَّالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ وَمَا وَصَّيۡنَا بِهٖۤ اِبۡرٰهِيۡمَ وَمُوۡسٰى وَعِيۡسٰۤى اَنۡ اَقِيۡمُوا الدِّيۡنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوۡا فِيۡهِ ؕ ....(الشوریٰ ۱۳)

ترجمہ: ہم نے آپ کے لئے اسی دین کو جاری کیا ہے جس کی وصیت نوح کو کی تھی۔ اور جس چیز کی وحی ہم نے آپ کی طرف کی ہے اور جس کی وصیت ابراہیم وموسیٰ وعیسیٰ کو کی تھی۔ وہ یہ ہے کہ دین پر قائم رہو اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرو"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ (النحل: ۳۶)

ترجمہ: "اور ہم نے ہر قوم میں ایک رسول کو بھیجا کہ اللہ کی پرستش کرو اور طاغوت سے بچو"۔

طاغوت طغیان سے مشتق ہے جس کے معنی حد سے آگے بڑھنے کے ہیں۔ اس آیت میں طاغوت سے مقصود ہر وہ معبود باطل ومتبوع مطاع ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنی حد سے بڑھ جائے۔

نوح علیہ السلام سب سے پہلے رسول ہیں۔ شفاعت کی حدیث میں ہے کہ میدان حشر میں لوگ حضرت نوح علیہ السلام سے کہیں گے۔ " آپ زمین والوں کی طرف سے پہلے رسول ہیں" (مسلم) سب میں آخری رسول اور سب میں افضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ ۔(الاحزاب:۴۰)

ترجمہ: آپ اللہ کے رسول اور آخری نبی ہیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "میری اور انبیاء کی مثال اس محل جیسی ہے جس کو خوبصورت بنایا گیا ہے لیکن ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔ دیکھنے والے اس محل کا معائنہ کرتے اور اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوتے سوائے اس اینٹ کی جگہ کے۔ اسی کی کمی کو محسوس کرتے۔ میں اسی اینٹ کی جگہ کو پر کرنے والا ہوں۔ مجھ سے عمارت مکمل ہوگئی اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہوگیا"۔ (مسلم)

تمام رسول ان پر درود وسلام ہو۔ غیب کو نہیں جانتے تھے بس اتنا ہی جتنا اللہ تعالیٰ ان کو سکھلا دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ
يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿٢٧﴾ لِّيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ
وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾ (الجن)

ترجمہ:''وہ غیب کا جاننے والا ہے۔وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔سوائے اس رسول کے جس کو اس نے چن لیا ہو۔وہ اس کے آگے پیچھے محافظ لگا دیتا ہے تاکہ وہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ڔ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ
يُّؤْمِنُوْنَ ﴿١٨٨﴾ (الاعراف)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنے آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ نقصان۔الا یہ کہ جو اللہ چاہے۔اگر میں غیب کا عالم ہوتا تو اچھی چیزیں زیادہ حاصل کر لیتا اور مجھے تکلیف نہ پہنچتی۔ میں تو بس ایمان والوں کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں''۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

قُلْ اِنِّىْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿٢١﴾ (جن)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں تم کو نہ نقصان پہنچانے اور نہ ہی ہدایت دینے پر قادر ہوں''۔

جس کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ کوئی نبی یا ولی غیب کا عالم ہے تو اس نے اللہ پر تہمت لگائی اور اس شخص کو اللہ کا ہمسر بنایا۔اور اس کی یہ بات قرآن وحدیث کے نصوص کے خلاف ہے۔بہت سارے لوگوں نے انبیاء کے متعلق غلو کیا ہے۔بہت سارے نام نہاد مسلمان عقیدہ رکھتے ہیں کہ ساری کائنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے پیدا ہوئی ہے۔اور اس عقیدہ کی دلیل میں من گھڑت جھوٹی احادیث کو پیش کرتے ہیں۔جن کا کتب احادیث میں کوئی وجود نہیں ہے۔

اور یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اسی طرح زندہ ہیں جس طرح دنیا میں تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اگر بات ایسی ہی ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت واقتداء کو چھوڑ کر صحابہ کرامؓ کسی دوسرے شخص کی اقتداء میں نماز نہ پڑھتے۔ اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلاۃ والسلام عالم برزخ میں زندہ ہیں اور یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ شہداء کی زندگی کا بیان قرآن پاک میں ہے۔ لیکن یہ زندگی برزخی زندگی ہے۔ اس کی کیفیت کو صرف اللہ ہی جانتا ہے۔ برزخی زندگی کو دنیوی زندگی پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

برزخی زندگی کے متعلق محدث ابوداؤد ونسائی نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تمہارے دنوں میں سب سے افضل جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کا انتقال ہوا' اسی دن صور پھونکا جائے گا' اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے"۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا "اے اللہ کے رسول! ہمارا درود آپؐ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ مٹی میں مل چکے ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجسام کو مٹی پر حرام کر دیا ہے"۔

اس حدیث اور اسی مفہوم کی دیگر احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ودیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگی ثابت ہوتی ہے۔ البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد کی زندگی انتقال سے قبل کی زندگی سے بالکل مختلف ہوگی۔ برزخی زندگی غیب کی دنیا ہے۔ اس کی حقیقت کو اللہ ہی جانتا ہے اتنی بات تو ثابت شدہ ہے کہ وہ دنیوی زندگی سے مختلف قسم کی ہے۔ اور یہاں کی باتیں وہاں نہیں چلتی ہیں۔ دنیا میں انسان کھاتا ہے، پیتا ہے، سانس لیتا ہے، شادی کرتا ہے، حرکت کرتا ہے، پیشاب پاخانہ کرتا ہے، بیمار ہوتا ہے، گفتگو کرتا ہے، وغیرہ کوئی شخص ان تمام امور کو کسی متوفی انسان کے لئے ثابت نہیں کر سکتا' حتی کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے سردار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی ان چیزوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اس بات کی تائید صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے

بعد صحابہ کرام کے مابین بہت سارے امور میں اختلاف ہوا۔لیکن کسی کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ وہ قبر نبی پر جائے اور آپ سے مشورہ لے۔اور حق و درست چیز کے متعلق آپ سے معلوم کرے۔کیوں؟اس لئے کہ معاملہ بالکل واضح ہے۔وہ تمام حضرات جانتے تھے کہ انتقال کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق دنیا سے بالکل کٹ چکا ہے۔دنیوی زندگی کی کیفیات و حالات آپ پر لاگو نہیں ہوتے ہیں۔وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برزخی زندگی میں تمام انسانوں سے آگے ہیں۔لیکن وہ الگ زندگی ہے۔دنیوی زندگی کی طرح نہیں ہے۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں غلو کرتے ہوئے بہت سارے مسلمان خطرناک حالت میں مبتلا ہو گئے ہیں۔وہ گمان کرتے ہیں کہ آپ فائدہ و نقصان کے مالک ہیں اور آپ پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتے ہیں۔اور ہر چیز آپ کے قبضہ میں ہے۔مثلاً ایک شخص کہتا ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند نزول الحادث العمم

ترجمہ:اے بزرگ مخلوق جب عام حادثے واقع ہوں تو میں آپ کو چھوڑ کر کس کی پناہ لوں''۔

وان من جودک الدنیا و ضرتھا ومن علومک علم اللوح والقلم

ترجمہ:اور آپ کی سخاوت سے دنیا و آخرت قائم ہے۔اور آپ کے علوم میں لوح و قلم کا علم داخل ہے''۔

اس شاعر نے اللہ کے لئے کیا باقی رکھا ہے؟اس نے مصیبتوں و پریشانیوں کے اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امید و پناہ گاہ قرار دیا ہے۔خواہ یہ پریشانیاں قیامت کے دن ہوں یا دنیا کی سختیاں و پریشانیاں۔وہ یہ بھول گیا کہ اللہ ہی تنہا پناہ گاہ و امید کی جگہ ہے۔دوسرے شعر میں اس نے دنیا و آخرت کے وجود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بخشش قرار دیا ہے۔اسی شعر میں وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں جن علوم کو رکھا ہے اور قلم نے جن تقدیرات کو لکھا ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم سے حاصل شدہ ہے۔حالانکہ اس کو اللہ ہی سے پناہ لینی چاہیئے تھی اور دنیا و آخرت کو اللہ کی مخلوق اور سارے علوم کو اسی کے لئے قرار دینا چاہیئے تھا۔تاکہ

شرک کی مصیبت سے بچ جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس غلو آمیز دعوے ومبالغہ آمیز تعریف میں اور یہودیوں کے قول ''عزیر بن اللہ'' اور عیسائیوں کے عقیدہ ''المسیح بن اللہ'' اور ''ثالث ثلاثہ'' میں کیا فرق رہ گیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے غلو سے ڈرایا ہے فرمایا:

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ... (المائدہ: ۷۷)

ترجمہ: ''اے اہل کتاب تم دین میں غلو نہ کرنا''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کی ذات وتعریف میں غلو کرنے سے امت کو روکا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''تم میری حد سے زیادہ تعریف مت کرنا جیسا کہ جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق کیا ہے۔ میں تو محض ایک بندہ ہوں۔ تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنا'' (بخاری)

یعنی جس طرح اہل کتاب نے اپنے انبیاء کے متعلق غلو کیا اس طرح تم میری محبت میں غلو نہ کرنا۔ آپ کے فخر کے لئے اتنا کافی ہے کہ آپ اللہ کے بندہ اور اس کے رسول ہیں۔ اور اولاد آدم کے سردار ہیں۔ آپ سفارشی بھی ہیں اور آپ کی سفارش مقبول بھی ہے۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم حوضِ کوثر والے اور مقام محمود کے مالک ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیگر خصوصیات وامتیازات سے نوازا ہے۔ ہزاروں درود وسلام ہوں آپ پر۔

غلو آمیز تعریف آپ کی محبت کی دلیل نہیں ہے۔ بلکہ آپ کی محبت تو آپ کی سنت کی اتباع، آپ کی پیروی اور آپ کے نمونہ کو اختیار کرنے سے ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۱ (آل عمران)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا۔ اللہ بہت مغفرت کرنے والا خوب رحم کرنے والا ہے"۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾ (الاحزاب)

ترجمہ: اللہ کے رسول کی زندگی میں تم میں سے ہر اس شخص کیلئے بہترین نمونہ ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو"۔

چار چیزیں جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

میرے مسلمان بھائی! چار چیزیں ایسی ہیں جن کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ وہ چار چیزیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔علم ۲۔عمل ۳۔دعوت ۴۔صبر

ان چار چیزوں کا ذکر اور ان کی ترغیب سورۂ عصر میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴿٢﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾ (العصر)

ترجمہ: زمانے کی قسم۔ انسان یقیناً گھاٹے میں ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور ایک دوسرے کو حق کی وصیت کی اور ایک دوسرے کو صبر کی وصیت کی۔

اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے۔ اللہ کو حق ہے کہ جس مخلوق کی چاہے قسم کھائے اور مخلوق کے لئے ضروری ہے کہ وہ صرف اللہ یا اس کی کسی صفت کی قسم کھائے مخلوقات کی نہیں۔ قسم کا جواب ''ان الانسان لفی خسر'' ہے۔ الانسان سے مراد تمام انسان ہیں یعنی ان چار امور کے اختیار کرنے والوں کے علاوہ باقی سارے انسان گھاٹے میں ہیں۔ گھاٹے و تباہی سے صرف چار مذکورہ صفات سے متصف انسان ہی مستثنیٰ ہیں۔ پہلی صفت ایمان ہے۔ ایمان کا علم پر مبنی ہونا ضروری ہے۔ علم سے مقصود اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کی معرفت اور اس کے رسول کی معرفت اور دین اسلام کی دلائل کے ساتھ معرفت ہے۔ اور اس علم کے مطابق قول و عمل و اعتقاد کے ذریعہ عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوٰىكُمْ ۝ (محمد)

ترجمہ: ''جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حق نہیں ہے۔ اور اپنے لئے اور مومن مردوں و مومن عورتوں کے گناہوں کیلئے مغفرت طلب کرلو۔ اور اللہ جانتا ہے تمہارے انجام کو اور تمہارے ٹھکانے کو''۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک باب باندھا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ ''کہنے اور عمل سے پہلے جاننے کا باب''۔

دوسری چیز عمل کی طرف اللہ تعالیٰ نے ''عملو الصالحات'' کے ذریعہ اشارہ فرمایا ہے بغیر عمل کے علم ایسے ہی ہے جیسے بغیر روح کے جسم۔ ایسے علم سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ بے عمل عالم کے لئے بوجھ اور اس کے خلاف دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ (الصف: ۲-۳)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک

بڑی ناراضگی کی بات ہے کہ تم وہ باتیں کہو جو تم خود نہیں کرتے ہو''۔

عمل جب تک اللہ کے لئے خالص اور شریعت کے موافق نہ ہو درست نہیں ہوسکتا۔ تیسری چیز کی طرف اللہ تعالیٰ نے ''وتواصوا بالحق'' کے ذریعہ ارشاد فرمایا ہے۔ یعنی علم وعمل کی طرف دعوت حکمت اور اچھے اسلوب بیان کے ذریعہ دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ (یوسف)

ترجمہ: ''آپ کہہ دیجئے کہ یہ میری راہ ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بصیرت کی بنیاد پر دعوت دیتے ہیں اور اللہ کی پاکی ہو میں مشرکین میں سے نہیں ہوں''۔

چوتھی چیز کا ذکر ''وتوصوا بالصبر'' میں ہے۔ اس لئے کہ جو شخص اللہ کی طرف بلاتا ہو اس کے لیے صبر کرنا اور دعوت کی راہ میں اذیتوں وتکلیفوں کو برداشت کرنا ضروری ہے۔ یہی انبیاء اور رسولوں کی کی اتباع ہے انہوں نے صبر کیا اور صبر کی ترغیب دی۔ اور اذیتوں کے باوجود اللہ کے پیغام کو بندوں تک پہنچا دیا۔

سورۂ عصر عظیم الشان سورۃ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کے ذریعہ مسلمانوں کو بتلا دیا ہے کہ رضائے الٰہی کے مطابق اسلام کی عملی تطبیق کس طرح ہوسکتی ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''اللہ عزوجل اگر اپنی مخلوق کے لئے صرف اسی سورہ کو نازل فرماتے تو کافی تھا''۔ (تفسیر ابن کثیر)

اسلام، ایمان اور احسان

اسلام: اسلام کے معنی توحید واطاعت کے ہیں۔ اور شرک ومشرکین سے دوری وبے تعلقی کے ذریعہ اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِيْ بَرَاۗءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْ فَطَرَنِيْ

فَاِنَّهٗ سَيَهْدِيْنِ۝۲۷ وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِيَةً فِيْ عَقِبِهٖ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝۲۸ (الزخرف)

ترجمہ: اور اس وقت کو یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ اور قوم سے کہا، تم جن کی پرستش کرتے ہو میں ان سے بے تعلق ہوں۔ میرا تعلق اس ذات سے ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ وہی میری رہنمائی کرے گا۔ ابراہیم اسی کلمہ کو اپنی اولاد میں چھوڑ گئے شائد کہ وہ اس کی طرف رجوع ہوں"۔

اسلام کے ارکان پانچ ہیں۔ (۱) لا اله الا الله محمد رسول الله کی گواہی دینا۔ (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا (۵) استطاعت پر حج کرنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی اطاعت کرنا، آپ کی خبر کو سچ ماننا، آپ کی منع کی ہوئی چیز سے رک جانا اور آپ کے طریقے کے مطابق ہی اللہ کی بندگی کرنا۔

۲۔ ایمان : ایمان کے معنی لغت میں تصدیق کے ہیں۔ شریعت میں زبان کے اقرار، دل کی تصدیق اور اعضاء کے عمل کا نام ایمان ہے۔ یہی ایمان کی صحیح تعریف ہے۔ قرآن، حدیث اور سلف صالحین سے یہی تعریف ثابت ہے۔ قرآن وحدیث کے نصوص سے ایمان کا بڑھنا اور گھٹنا ثابت ہوتا ہے۔ ایمان اطاعت وعمل صالح سے بڑھتا ہے۔ اور گناہ سے گھٹتا ہے۔ ایمان کے بڑھنے وگھٹنے کے بعض دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ۝۱۷ (محمد)

ترجمہ: اور جو لوگ ہدایت کو اختیار کئے ان کی ہدایت میں اس نے اضافہ کیا اور انہیں تقویٰ عطا کیا"۔

• اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۝۲ (الانفال:)

ترجمہ: "اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب ہی پر

بھروسہ رکھتے ہیں۔"

ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ اِيْمَانِهِمْ ۭ وَلِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ۙ (الفتح)

ترجمہ: "وہی ذات ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت نازل کی تا کہ ان کے ایمان میں اور ایمان کا اضافہ ہو جائے اور اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور خوب جاننے والا بڑی حکمت والا ہے"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے اونچا شعبہ لا الٰہ الا اللہ کی گواہی دینا ہے اور سب سے نچلا شعبہ راستے سے اذیت دہ چیز کو ہٹانا ہے اور شرم وحیاء ایمان کا ایک شعبہ ہے"۔ (ابوداؤد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جہنم سے ہر اس شخص کو نکالا جائے گا جس کے دل میں ذرّہ برابر بھی ایمان ہوگا"۔ (متفق علیہ)

ایمان کے گھٹنے اور بڑھنے کے یہ واضح وصریح دلائل ہیں۔ یہی اہل سنت وجماعت کا مسلک ہے جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ ایمان نہ گھٹتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔ ان کا قول قابل اعتبار نہیں ہے۔ بلکہ سابقہ نصوص قرآن وحدیث سے ٹکراتا ہے۔ یہ لوگ بعض غیر صحیح احادیث سے ایمان کی عدم کمی وزیادتی پر دلیل پکڑتے ہیں۔ ان کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی روایت کردہ احادیث میں سخت ضعف ہے۔ مثلاً ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت کہ قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا "اے اللہ کے رسول! کیا ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے؟ آپ نے فرمایا! "نہیں! ایمان دل میں مکمل ہوتا ہے۔ اس کا بڑھنا کفر اور گھٹنا شرک ہے"۔

یہ حدیث من گھڑت ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "ابولیث سے ابو مطیع

تک تمام راوی مجہول ہیں۔تاریخ کی معروف کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ابو مطیع کا نام حکم بن عبداللہ بن مسلم بلخی ہے۔امام احمد و یحییٰ بن معین وغیرہ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ابوالمھزم کا نام یزید بن سفیان ہے۔اور یہ شخص بھی ضعیف ہے۔نسائی نے کہا۔''یہ متروک ہے'' شعبہ نے اس پر احادیث گھڑنے کی تہمت لگائی ہے۔کہا کہ''اس کو اگر دو پیسے بھی دیئے جائیں تو وہ ستر احادیث گھڑ کر سنائے گا۔

ایمان کے چھ ارکان ہیں۔(۱) اللہ پر ایمان (۲) فرشتوں پر ایمان (۳) آسمانی کتابوں پر ایمان (۴) رسولوں پر ایمان (۵) اخروی زندگی پر ایمان (۶) اچھی و بری تقدیر پر ایمان۔

۳۔احسان :احسان کا معنی ہے''تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر چہ تم اس کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تو تم کو ضرور دیکھ رہا ہے''۔یعنی کھلے و چھپے' تنہائی و لوگوں کے درمیان اللہ کو حاضر و ناظر سمجھنا۔اس ذات کا دھیان رکھنا جس سے محبت رکھتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے اور اس کے ثواب کی امید رکھتا ہے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ ہوتا ہے۔حدیث جبرائیل میں اسلام' ایمان اور احسان کا بیان آیا ہے۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں''ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا جس کے کپڑے نہایت سفید تھے اور بال بالکل کالے تھے۔اس کے چہرے و لباس پر سفر کا کوئی اثر نہ تھا۔اور ہم میں سے کوئی شخص اس کو پہچانتا نہ تھا۔وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔اپنے دونوں گھٹنے آپ کے دونوں گھٹنوں سے ملا لئے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو آپ کی دونوں رانوں پر رکھا اور کہا''اے محمد! مجھے اسلام کے متعلق بتلائیے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''اسلام یہ ہے کہ تم لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ کی گواہی دو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور رمضان کے روزے رکھو اور اگر ہو سکے تو خانہ کعبہ کا حج کر لو''۔اس شخص نے کہا ''آپ درست فرماتے ہیں''۔عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی بات پر تعجب ہوا کہ وہ پوچھتا بھی ہے اور تصدیق بھی کرتا ہے''۔پھر اس نے کہا''مجھے ایمان کے متعلق بتلائیے؟'' آپ نے فرمایا''ایمان یہ ہے کہ تم اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر

اور یوم آخرت پر اور اچھی و بری تقدیر پر ایمان لاؤ"۔ اس شخص نے کہا "آپ درست کہتے ہیں"۔ اس کے بعد کہا مجھے احسان کے متعلق بتلایئے"۔ آپ نے فرمایا "تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر چہ تم اس کو دیکھ نہیں سکتے لیکن وہ تم کو ضرور دیکھ رہا ہے"۔ اس شخص نے کہا "مجھے قیامت کی نشانیاں بتلایئے" آپ نے فرمایا "لونڈی اپنی مالکن کو جنے گی، ننگے بدن، ننگے سر، محتاج بکریوں کے چرواہوں کو تم دیکھو گے کہ اونچی اونچی عمارتیں بنائیں گے"۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص چلا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا۔ "اے عمر جانتے ہو پوچھنے والا کون تھا؟" میں نے کہا۔ "اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں"۔ آپ نے فرمایا۔ وہ جبرئیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھلانے آئے تھے"۔ (مسلم)

عقیدہ کے متعلق کتابچہ ختم ہو گیا۔ الحمد للہ رحمت وسلام و برکت ہو اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے خاندان اور آپ کے ساتھیوں پر۔

فرقہ ناجیۃ وطائفہ منصورہ (۱)

احادیث صحیحہ میں دو گروہوں کا ذکر ہے۔ پہلا فرقہ ناجیہ یعنی جہنم سے نجات پا کر جنت میں داخل ہونے والا اور دوسرا طائفہ منصورہ یعنی امت کا وہ گروہ جس کے ساتھ توفیق ونصرتِ الٰہی ہو گی۔ ان دونوں گروہوں کی تفصیل جاننا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان نبی اسرائیل تفرقت علی اثنتین وسبعین ملة وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا واحدة قالوا: من هی یا رسول الله۔ قال ما أنا علیه واصحابی۔

(الترمذی، ابواب الایمان باب افتراق هذه الامة)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بنی

(۱) یہ اور اس کے بعد کا مضمون مترجم کی طرف سے ہے۔

اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سارے کے سارے جہنمی ہیں سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: وہ کونسا گروہ ہے اے اللہ کے رسول؟ آپ نے فرمایا: وہ جو میرے اور میرے ساتھیوں کے طریقہ پر ہو۔

اس مفہوم ومعنی کی روایات بکثرت ہیں۔ آپ ﷺ کی پیشن گوئی کے مطابق امت محمدیہ میں افتراق وانتشار دیگر اقوام کے مقابلہ میں زیادہ ہی واقع ہوا ہے۔ قرآن وسنتِ رسول سے دوری، کج فہمی، خواہشات نفس کی پیروی وغیرہ کی وجہ سے امت میں سخت اختلافات پیدا ہوئے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اختلاف ضرور واقع ہوگا۔ سارے انسانوں کی طبیعتیں وذہن یکساں نہیں ہوسکتے۔ علم شریعت، خیر کی طرف رجحان اور صحبت صالح کی وجہ سے فرق ہو جاتا ہے۔ اس لئے اختلاف لازم ہے۔ خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے مکمل اتحاد فکر وذہن حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ اصحاب رسول ﷺ میں اجتہادی امور وانتظامی معاملات میں اختلاف واقع ہوا۔ لیکن وہ سب عقیدہ میں متفق تھے کسی بھی قسم کے شرک وبدعت کو برداشت نہ کرتے تھے۔ دعوت توحید وغلبہ اسلام کے لئے باہمی اجتہادی اختلافات کو برداشت کرتے تھے اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کرتے اور بھلائی کی طرف دعوت دیتے ہوئے مل کر کام کرتے تھے۔ نجات کی راہ عقیدہ وعمل میں سنتِ نبی اور سنتِ اصحاب نبی کی اتباع میں ہے۔

مفسر ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ "ماأنا علیه وأصحابی" کی تشریح میں فرماتے ہیں: یہ اہل سنت وجماعت کا گروہ ہے جو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں۔ صحابہ کرام، تابعین اور قدیم وجدید ائمہ دین کی راہ کو اپناتے ہیں۔

عن المغیرة بن شعبة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: لا یزال طائفة من امتی ظاهرین حتی یاتیهم امر الله وهم ظاهرون۔

(البخاری کتاب الاعتصام والسنة باب قول النبی ﷺ لا یزال طائفة من أمتی۔)

ترجمہ: مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میری امت

میں ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے اور وہ غالب ہوں گے"۔

غلبہ سے مراد دین کے احکام پر کھلم کھلا عمل کرنا اور اس کی طرف دعوت دینا ہے۔ امام مسلم نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت کا ایک گروہ حق پر قائم رہے گا۔ ان کا ساتھ چھوڑ دینے والے انہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا حکم نہ آجائے یعنی قیامت بالکل قریب نہ ہو جائے۔

اسی مفہوم کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ ساری امت محمدیہ گمراہ اور دین سے دور نہ ہوگی بلکہ امت میں ایسے افراد ہمیشہ پائے جائیں گے جو دین کی اصلی و سچی تعلیمات کے عالم اور عامل اور ان کے داعی ہوں گے۔

حدیث میں مذکورہ گروہ سے مراد کون ہے؟ امام بخاری نے کہا کہ یہ گروہ اہل علم کا ہے یعنی دین کا علم حاصل کرنے والے افراد۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا "اگر محدثین مراد نہ ہوں تو میں نہیں جانتا پھر کون ہو سکتے ہیں" قاضی عیاض کہتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل کے مذکور جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جو محدثین جیسا عقیدہ رکھے تمام اہل سنت و جماعت اس میں داخل ہیں۔ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس گروہ سے اہل ایمان کے مختلف گروہ مراد ہو سکتے ہیں۔ ان میں بہادر مجاہدین، فقہاء محدثین، زھاد و عباد، واعظین وغیرہ دیگر بھلائی کے کاموں میں حصہ لینے والے شامل ہیں۔ ان کا کسی ایک جگہ اکٹھا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ مختلف ممالک و آبادیوں میں الگ الگ پائے جا سکتے ہیں۔ یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھلا معجزہ ہے۔ کیونکہ یہ گروہ وافراد امت میں پائے جاتے رہیں ہیں، عہد نبوت سے آج تک اور ان شاء اللہ قیامت تک۔

پہلی حدیث سے ثابت ہوا کہ امت محمدیہ میں فرقہ بندیاں واقع ہوں گی۔ نجات پانے والے وہی افراد اور گروہ ہوں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی پیروی کرتے ہوں۔ اور دوسری حدیث میں خوشخبری ہے کہ ہر دور میں اہل حق و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنے والے ضرور موجود ہوں گے۔ کامیابی و بھلائی اسوۂ نبی و طریقہ اصحاب نبی کے اپنانے اور ایسے حضرات کے ساتھ ہو جانے میں ہے۔

قرآن واحادیث صحیحہ کی اتباع لازم ہے

اللہ عزوجل نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نبی محترم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے کلمات کو نازل فرمایا۔ انسان کو ہوا، پانی، غذا، لباس وغیرہ سے زیادہ ہدایت ربانی کی ضرورت ہے۔ الٰہی تعلیمات کے بغیر انسان شرفِ انسانیت حاصل نہیں کرسکتا ہے۔ بلکہ جب ہدایت ربانی سے محروم ہوجائے تو تمام مخلوقات میں سب سے بدتر ہوجاتا ہے۔ اس کی صلاحیتیں وقوتیں شرف و اعزاز کے بجائے باعث ننگ وعار بن جاتی ہیں۔ اس لئے عزوجل نے ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو اس زمین پر اتارا تو فرمایا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾ (البقرہ)

ترجمہ: ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پھر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت ضرور آئے گی جو میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے تو وہ نہ فکرمند ہوں گے اور نہ غمگین۔ اور جو اس کا انکار کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے تو وہی لوگ آگ کے ساتھی ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اور فرمایا:

فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿١٢٣﴾ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿١٢٤﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿١٢٥﴾ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿١٢٦﴾ (طٰہٰ)

ترجمہ: جو میری ہدایات کی پیروی کرے گا تو وہ نہ بھٹکے گا اور نہ بدبختی میں مبتلا ہوگا۔ اور جو ذکر سے منہ موڑ لے گا اس کے لئے دنیا میں تنگ زندگی ہوگی اور قیامت کے روز ہم اسے اندھا

اٹھائیں گے۔ وہ فرمائے گا ''اے میرے پروردگار تو نے مجھے اندھا بنا کر کیوں اٹھایا میں تو آنکھوں والا تھا''۔ اللہ فرمائے گا ''ہماری آیتیں تیرے پاس آئیں تھیں تو نے انہیں ایسے ہی بھلا دیا تھا اس لئے آج تجھ کو بھی اسی طرح بھلا دیا جائے گا''۔

ربانی ہدایت کے نزول کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہوا۔ اور آپ پر نازل شدہ ہدایت وتعلیمات کو تا قیامت محفوظ کر دیا گیا۔

تمام رسول اللہ عزوجل کی خصوصی نگرانی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ کیونکہ وہ کلام الٰہی کے شارح ہوتے تھے۔ اللہ عزوجل نہ صرف ان پر اپنا کلام نازل فرماتا تھا بلکہ اس کی تشریح وتفسیر کی ذمہ داری بھی انہیں پر ہوتی تھی۔ تاکہ کلام الٰہی اور رسولوں کی قولی وعملی تشریح کے ذریعہ اللہ کے بندوں پر اتمام حجت ہو جائے اور ہدایت کی راہ مکمل واضح ہو جائے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شارح کلام الٰہی ہونے کا ذکر قرآن میں صراحت سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

ترجمہ: ''درحقیقت اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے درمیان انہیں میں سے ایک ایسا پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے اور ان کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں مبتلا تھے''۔

تعلیم کتاب سے مقصود آیاتِ قرآن کی قولی وعملی تشریح ہے۔ اور تمام مسلمان اس تشریح کے قیامت تک محتاج رہیں گے۔ آپ کی تشریح کے بغیر قرآن کریم کی تعلیمات پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل)

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن کو نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کے لیے نازل کردہ کی تشریح کریں امید کہ وہ غور وفکر کریں گے۔

اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ آپ احکام الٰہی کو واضح کرنیوالے ہیں۔ یعنی آپ کا مشن صرف کلام الٰہی کو لوگوں تک پہنچانا ہی نہیں ہے بلکہ قول وعمل کے ذریعے اس کو واضح کرنا ہے۔

عہد صحابہ کے بعد مسلمانوں میں مختلف قسم کی بدعات وگمراہیاں داخل ہوگئیں۔ سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لوگ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ بعض نے سنتِ رسول کی اہمیت ہی سے انکار کر دیا اور بعض نے سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت کو تسلیم کیا لیکن اس کے قبول کرنے کے لئے ائمہ کرام کی تصدیق کو ضروری سمجھا۔ جب تک ان کے متعین کردہ عالم سے اس کی تصدیق نہ ہو یا اس عالم سے اس حدیث پر عمل ثابت نہ ہو قبول نہ کریں گے۔ حالانکہ جن ائمہ کرام کی طرف یہ لوگ اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں ان حضرات نے ہرگز ایسی باتیں نہیں کہی ہیں اور واضح اعتراف کیا کہ حدیث رسول ان سے چھوٹ سکتی ہے یا فہم میں غلطی واقع ہوسکتی ہے۔ جب حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحیح سند سے ثابت ہو جائے تو اس کو اپنا لینا لازم ہے۔ اسی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ارشاد ہوا۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝٣٢ (آل عمران)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو اللہ انکار کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے"۔

اطاعت رسول آپ کی سنتوں واحادیث کے اپنانے ہی سے ہوسکتی ہے۔ اسی بات کا ائمہ کرام نے حکم دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے متعدد اقوال منقول ہیں۔ سب کا خلاصہ یہی ہے کہ صحیح حدیث کو ماننا ضروری ہے۔ ابن عابدین سے روایت ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: ''جب حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مسلک ہے"۔ اعلام الموقعین کی روایت ہے کہ

آپ نے فرمایا: ''کسی شخص کے لئے ہمارے فتوی پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کو علم نہ ہو جائے کہ ہم نے کس بنیاد پر وہ فتویٰ دیا ہے''۔ الایقاظ میں ہے کہ آپ نے فرمایا : ''جب میرا فتویٰ آیت قرآنی اور حدیث رسول کے مخالف ہو تو میرے فتوی کو چھوڑ دو''۔

امام مالک رحمۃ اللہ نے فرمایا: ''میں تو محض ایک انسان ہوں۔ غلطی بھی ہوتی ہے اور درست بھی کہتا ہوں۔ میرے فتاوی پر غور کرو جو کتاب اللہ و سنتِ رسول کے موافق ہو اس کو لے لو۔ اور جو ان دونوں کے موافق نہ ہو اس کو چھوڑ دو''۔ اور آپ نے کہا ''سوائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر شخص کی بات و فتویٰ کو قبول بھی کیا جا سکتا ہے اور ترک بھی''۔ (جامع بیان العلم)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''ہم میں سے کسی بھی شخص سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹ سکتی ہے۔ میں نے کوئی ایسا قاعدہ بیان کیا ہو جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ٹکراتا ہو تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات ہی میری بات ہے''۔ (تاریخ دمشق)

امام شافعیؒ نے فرمایا: ''اگر تم میری کتاب میں سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کوئی چیز پاؤ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو اختیار کرنا اور میری بات کو چھوڑ دینا''۔ آپ نے فرمایا: ''جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مسلک ہے''۔ (المجموع للنووی) آپ نے محدثین کو مخاطب کر کے کہا: آپ حضرات حدیث اور راویوں کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔ جب حدیث صحیح ہو تو مجھے بتلایئے خواہ وہ کوفی ہو یا بصری یا شامی تا کہ وہ صحیح ہو تو میں اس کو اپنا لوں۔ (ابن عساکر) آپ نے کہا: جب تم مجھے دیکھو کہ میں حدیث صحیح کے خلاف فتوی دے رہا ہوں تو جان لو کہ میری عقل چلی گئی ہے''۔ (الامالی)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ نے فرمایا: نہ تم میری تقلید کرنا اور نہ شافعی کی اور نہ اوزاعی کی اور نہ ثوری کی بلکہ جہاں سے انہوں نے لیا ہے تم بھی وہیں سے لینا'' آپ نے کہا اوزاعی کا فتویٰ اور مالک کا فتویٰ اور ابو حنیفہ کا فتویٰ سب آراء ہیں اور میرے نزدیک سب برابر ہیں اصل دلیل تو احادیث میں ہے''۔ (الجامع لابن عبدالبر) آپ نے فرمایا: جس نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو رد کر دیا وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے۔(ابن الجوزی)

حمیدی کہتے ہیں کہ ہم شافعی رحمۃ اللہ کے پاس تھے۔ اتنے میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور کسی مسئلہ کے متعلق دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ میں ایسے اور ایسے فیصلہ کیا ہے"۔ اس شخص نے امام شافعی سے کہا: آپ کیا کہتے ہیں؟ آپ نے کہا: سبحان اللہ! تم مجھے کسی چرچ میں دیکھ رہے ہو یا کسی بت خانہ میں؟ کیا تم میری کمر میں جینئو دیکھ رہے ہو؟ میں تم سے کہتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور تم پوچھتے ہو کہ آپ کیا کہتے ہیں؟"۔ (شرح العقیدہ الطحاویۃ)

حدیث کو کسی بہانے سے ٹال دینا اور اپنے متعین کردہ عالم کی تصدیق کے بغیر اس پر عمل نہ کرنا گمراہی ہے۔ اسی طرح کسی ایک عالم کی پیروی کو لازم کر لینا اور اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کر لینا ان بدعات میں سے ہے جو تیسری صدی ہجری کے بعد امت میں داخل ہو گئیں۔

شاہ ولی اللہ دھلوی رحمہ اللہ حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں: "مسلمان کسی متعین امام کی خالص تقلید اور اس کے مسلک کے تفقہ اور اس کے فتاوی کی روایت پر چوتھی صدی ہجری تک جمع نہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ تحقیق و مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ پھر ان بہترین زمانوں کے بعد لوگ ادھر ادھر بھٹک گئے اور تقلید ان کی سینوں میں چیونٹی کے چال کی طرح داخل ہو گئی اور انہیں محسوس بھی نہ ہو سکا"۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ و دیگر علماء کرام کے بیان سے واضح ہے کہ تقلید کا وجود اسلام کی پہلی تین صدیوں تک نہ تھا۔ پھر یہ چیز مسلمانوں میں داخل ہو گئی اور امت مسلمہ کو گروہوں میں بانٹ دیا۔ قرآن و حدیث سے عام افراد امت کو دور کرنے کا سبب بن گئی۔

اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں اہل علم کی فضیلت و اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ اسی طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی علماء کی بزرگی اور ان کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم سے پوچھنے اور ان کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ لیکن کسی

عالم کو متعین کر لینے اور ہر مسئلہ میں اسی کی طرف رجوع ہونے کی ہدایت نہیں دی ہے۔ بلکہ اصل اطاعت تو اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور باقی اطاعتیں انہیں کے تحت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي.

ترجمہ: میں تم میں دو چیزوں کو چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سنت۔ جب تک تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی کامل اتباع ہی حق ہے۔ اوعلماء کرام کے علوم سے استفادہ کرنا حق ہے۔ لیکن کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے۔ تقلید کا عمل سلف صالحین سے ثابت نہیں ہے۔ مسند بن عنان رحمۃ اللہ شرح مدونۃ مالک میں کہتے ہیں۔

''تقلید کہتے ہیں دلیل وحجت کے بغیر کسی بات کو ماننا اور اس پر اعتماد کرنا اور تقلید سے کسی قسم کا علم حاصل نہیں ہو سکتا اور کسی ایک متعین مذہب کی تقلید و پابندی کرنا کھلی بدعت ہے۔ کیونکہ یہ بات قطعی طور پر سب جانتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تقلید کا رواج نہ تھا اور اس وقت سب لوگ صرف کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور جب دلیل نہیں ملتی تھی تو آپس میں غور وخوض کرتے تھے''۔

تابعین کرام کا بھی یہی حال تھا کہ دلیل نہ ہونے کے وقت اجتہاد کرتے تھے اور تیسری صدی تک جس کے اندر امام ابوحنیفہ و مالک وشافعی رحمھم اللہ سب کے سب اپنے پیشرو سلف صالحین کے طریقہ پر تھے ان کے زمانے میں کسی ایک شخص کا متعین مسلک نہ تھا۔

امام شوکانی رحمۃ اللہ ''القول المفید'' میں فرماتے ہیں:

''ہر صاحب علم جانتا ہے کہ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کسی کے مقلد نہ تھے اور نہ کسی عالم کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے۔ ناواقف اشخاص عالم دین سے قرآن وحدیث سے ثابت شدہ حکم کے متعلق پوچھتے تھے''۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ منہاج السنۃ میں فرماتے ہیں:

یہ چاروں امام ایک زمانے میں نہیں تھے۔امام ابوحنیفہ کا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا۔ اورامام مالک کا ۱۷۶ھ میں اور امام شافعی کا ۲۰۴ھ میں اور امام احمد بن حنبل کا ۲۴۱ھ میں۔ اُن میں سے کوئی دوسرے کی تقلید نہیں کرتا تھا اور نہ لوگوں کو اس کی ہدایت کرتا تھا۔ بلکہ وہ سب کتاب وسنت کی دعوت دیتے تھے اور جب کوئی کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات کہتا تو اس کی تردید کرتے تھے اور لوگوں پر اپنی پیروی کو لازم نہیں کرتے تھے"۔

ابن قیم رحمہ اللہ اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں۔

"ہم بخوبی جانتے ہیں کہ عہد صحابہ میں کسی شخص نے کسی دوسرے شخص کی تمام باتوں میں تقلید نہیں کی اور یہ بھی بخوبی واضح ہے کہ ایسی بات نہ عہد تابعین میں تھی اور نہ عہد تبع تابعین میں۔" مقلدین کسی ایک شخص کی نشاندہی کریں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے بہترین زمانوں میں ان کی تقلید کی بُری راہ پر چلا ہو تقلید کی بدعت تو چوتھی صدی میں پیدا ہوئی جس زمانے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت فرمائی ہے"۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے اس کی کتاب اور اس کے نبی کی اطاعت واتباع کو لازم کردیا ہے۔ علماء کرام کا احترام اور ان سے علم حاصل کرنا اللہ کا حکم اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ لیکن کوئی عالم معصوم نہیں ہوتا ہے۔ غیر نبی سے خطا واقع ہوتی ہے۔ اس لئے جس عالم کا علم وفہم قرآن وسنت سے جتنا زیادہ موافق ہے اتنا ہی زیادہ قابل اتباع ہے۔ اور جہاں قرآن وسنت سے دوری ہے وہ قابل ترک ہے۔ کسی شخصیت وگروہ کی طرف نسبت دین میں نہیں ہے۔ مسلمان پر فرض ہے کہ اللہ ورسول کے احکام وتعلیمات کو معلوم کرے اور ان پر عمل کرے اور جن مسائل کی سمجھ حاصل نہ ہو ان میں اہل علم سے رجوع کرے۔ بغیر تعصب گروہ بندی کے اہل علم کی اتباع کرے۔

فضائل توحید

دنیا میں سب سے بڑی نعمت خالص بندگی کی توفیق ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انسانوں کو اسی مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے اور اسی میں ان کی کامیابی ہے۔ یہ نعمت اسی کو حاصل ہوتی ہے جس پر اللہ کا خصوصی انعام ہو اور وہ شخص حق وہدایت کی طلب میں لگا ہو، اور اس کو اختیار کرنے کے لیے قربانی پر آمادہ ہو۔ جس بندہ کو بندگیٔ خالص کی توفیق ملی اور ہر قسم کے شرک سے دور ہوا وہ سراسر فائدہ میں رہتا ہے۔ توحید کی برکتیں اس کی دنیا وآخرت کو منور کر دیتی ہیں۔

توحید کی خوبیاں تو بے شمار ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ (الانعام)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کو کسی ظلم سے آلودہ نہیں کیا ایسوں کیلئے امن ہوگا اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔

ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ شرک ظلم عظیم ہے۔ جو شرک سے بچا آخرت میں اس کو امن حاصل ہوگا اور دنیا میں مسلسل ہدایت ملتی رہے گی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اے میرے پروردگار! آپ مجھ کو ایسی چیز سکھلایئے جس کے ذریعہ میں آپ کو یاد کروں اور آپ سے مانگوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ لا الہ الا اللہ کہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ کے سارے بندے تو یہی کہتے ہیں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: اے موسیٰ اگر تو ساتوں آسمان اور ان کے باشندے میرے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں ہو جائیں اور دوسرے پلڑے میں لا الہ الا اللہ ہو تو لا الہ الا اللہ ان پر غالب آجائے گا۔ (ابن ماجہ، الحاکم)

''لاالہ الااللہ'' کلمہ توحید جس قدر ایمان ویقین سے کہا جائے، اسی قدر اللہ کے نزدیک بھاری ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ کامل موحد کا لاالہ الااللہ آسمانوں وزمینوں سے بھی زیادہ بھاری ہوجاتا ہے۔

توحید کے بعض فضائل مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) جب توحید دل میں جم جائے اور اسی پر خاتمہ ہوتو ایسا شخص جہنم میں اس ہمیشہ نہیں رہ سکتا' بیشک اللہ نے اس شخص پر جہنم کو حرام کر دیا ہے جو اللہ کو راضی کرنے کے لیے لاالہ الااللہ کہے''۔ (متفق علیہ)

(۲) دل میں توحید مکمل ہوتو ایسا شخص جہنم میں بالکل داخل نہ ہوگا۔ (امت محمدیہ کے ستر ہزار کامل موحدین بغیر حساب وعذاب کے جنت میں داخل ہوں گے (بخاری)۔

(۳) توحید دنیاوآخرت کے غم اوران دونوں کی سزاؤں سے بچنے کا بڑا سبب ہے (الانعام)

(۴) اللہ کی رضاوثواب کے حصول کا واحد ذریعہ توحید ہے۔

(۵) شفاعت رسول کو حاصل کرنے والا وہی خوش نصیب ہوگا جس نے خلوص دل سے لاالہ الااللہ کہا ہو۔ (بخاری کتاب العلم)

(۶) توحید کی عظیم الشان فضیلت یہ ہے کہ تمام کھلے چھپے اعمال واقوال کی قبولیت اوران کی تکمیل اوران سے ثواب کا حصول توحید ہی پر موقوف ہے۔ (مسلم کتاب الزہد)

(۷) جس قدر توحید مضبوط وخالص ہوگی اسی قدر نیکیاں واطاعتیں مکمل ہوں گی۔

(۸) موحد کیلئے دنیا میں مکمل ہدایت اورآخرت میں کامل امن حاصل ہوتا ہے۔

(۹) بندہ میں جس قدر توحید خالص وکامل ہوگی اسی قدر اس کے اعمال صالحہ کامل واعلیٰ ہوں گے۔

(۱۰) توحید کی وجہ سے بندہ پر بھلائیوں کا کرنا اور برائیوں کا چھوڑ دینا آسان ہوجاتا ہے کیونکہ نیکیوں کے ذریعہ وہ پروردگار کی خوشنودی اورثواب چاہتا ہے اورعذاب جہنم کے

ڈر سے برائیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔(الفتح)

(۱۱) موحد پر مصیبتیں و مشقتیں آسان ہو جاتی ہے وہ اللہ کی تقدیر سے تسلی حاصل کرتا ہے اور صبر اختیار کرتا ہے۔

(۱۲) دل میں جب توحید مکمل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دل میں ایمان کو محبوب بنا دیتا ہے اور اس کو مزین کر دیتا ہے اور اس کے دل میں کفر و فسق و گناہ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے(الفتح)۔

(۱۳) توحید کی عظیم الشان خوبی یہ ہے کہ وہ انسان کو مخلوقات کی غلامی سے بچاتی ہے' موحد مخلوقات کی چاپلوسی' خوشامد اور ان کے سامنے پست ہونے سے بچ جاتا ہے' یہی انسان کی حقیقی عزت و آبرو ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(۱۴) توحید کی وجہ سے موحد صرف اللہ کی پرستش کرتا ہے' اسی سے لو لگاتا ہے اور اسی سے ڈرتا ہے اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے' اس طرح اس کی کامیابی مکمل و ثابت ہو جاتی ہے۔

(۱۵) بندہ میں جب توحید مکمل اور اخلاص کامل ہو جائے تو ایسے بندے کا تھوڑا سا عمل اللہ عزوجل کے پاس بہت ہو جاتا ہے' اس کی نیکیوں کو بے حد و حساب کئی گنا زیادہ کر دیا جاتا ہے۔اس کلمہ توحید کے مقابلہ میں زمین و آسمان حقیر ہو جاتے ہیں۔(ابن حبان' الحاکم)۔

(۱۶) اللہ عزوجل نے اہل توحید کیلئے دنیا میں فتح و نصرت' عزت و شرف' حصول ہدایت' اقوال و اعمال میں توفیق اور اصلاح احوال کی ضمانت لی ہے۔

(۱۷) اللہ عزوجل اہل توحید سے دنیا و آخرت کے شر کو دفع کر دیتا ہے اور ان کو پاکیزہ زندگی اور اس کی یاد کے ذریعہ دل کے سکون و خوشی کا انعام عطا فرماتا ہے۔

MAKTABA TARJUMAN

4116, Urdu Bazar, Jama Masjid, Delhi-110006
Ph. : 011-23273407, Fax : 01-23246613
E-mail : jamiatahlehadeeshind@hotmail.com
website : www.ahlehadees.org